جوش ملیح آبادی

لفظیاتی و نفسیاتی رجحانات

محمد عرفان

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

جناب محمد عرفان نے ہر چند کہ تعلیم انگریزی میں پائی ہے لیکن وہ دیوانے اُردو کے ہیں۔ میں اس لئے بھی ان کی قدر کرتا ہوں کہ وہ قدیم دہلی کالج کے سپوت ہیں (جو) میرے ایم اے کا زمانہ تھا غالباً محمد عرفان بھی اسی زمانہ میں آگے پیچھے انگریزی (آنرز) کے طالب علم رہے ہوں گے۔ پھر انہوں نے ایم اے انگریزی بھی وہیں سے کیا اور بعد میں اسلامیہ کالج بریلی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔

قدیم دہلی کالج سے جو بھی نکلا اُردو کی چھاپ لے کر نکلا۔ عرفان صاحب بھی کئی کتابوں کے مصنف و مولف ہیں جن کے بارے میں متعدد جید ادبی ہستیاں خراج تحسین پیش کر چکی ہیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ دہلی)

محمد عرفان انگریزی ادب کے استاد ہیں۔ اُردو کے شاعر و ادیب ہیں عالمی ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی نگاہ دوررس نے کلام غالب میں بعض ایسے نادر نکتے نکالے ہیں کہ ان کے مضامین کو غالب شناسی میں ایک اہم اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ **(پروفیسر نورالحسن نقوی**، علی گڑھ)

دراصل اس کتاب (کی مقبولیت) کے پیچھے عرفان صاحب کا علمی ذوق ان کا انگریزی ادب کا عمیق مطالعہ، خود ان کی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا ایسا مفکرانہ ادبی تجزیہ اور تنقید کے فن کی ان کی مہارت تھی جس نے کتاب کو وقیع اور قابل توجہ بنا دیا۔ ہر قاری ان کی بے لاگ تنقید مفکرانہ اور فلسفیانہ تجزیات، قابل قدر سنجیدہ فکر اور عالمانہ طرز تحریر سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے طرز غالب کو عرفان صاحب کی طرز تحریر اور طرز فکر کا اعلیٰ نمونہ قرار دے دیا۔

(ڈاکٹر سید شریف الحسن نقوی)

جناب محمد عرفان کا نام اُردو ادب کے شائقین کے لئے نیا نہیں۔ وہ انگریزی کے استاد رہے ہیں لیکن اُردو ادب کے طالب علم اور رمز شناس اور نقاد ہیں۔ ان کے کئی مضامین میں جو اظہار خیال ہے وہ شاہراہ عام سے ہٹ کر ہے۔

عرفان صاحب نے انگریزی ادب سے اپنی واقفیت کا بھی اپنی تحریروں میں جا بجا فائدہ اٹھایا ہے اور ان کے تنقیدی مضامین میں وسعت اور تنوع ہے اور ان کی نثر بھی شگفتہ رواں اور مربوط ہے۔ **(شمس الرحمن فاروقی)**

جناب محمد عرفان کے مضامین کا مجموعہ۔ ایک بیش قیمت اضافہ بھی ہے اور تنقیدی زاویہ نظر سے مصنف کی انفرادیت اور فن شناسی کا عمدہ ثبوت بھی۔

محمد عرفان صاحب چونکہ انگریزی کے استاد رہے ہیں اس لئے نئے تنقیدی طریق کار سے ان کی آشنائی قابل قدر ہے مجھے اس تاثر کا اظہار کرنے میں بھی کوئی تجھک نہیں کہ اس کتاب میں شامل چند مضامین نے بعض نئی جہات کا اضافہ کیا ہے۔ ان مضامین کی صحیح قدر و قیمت ان کے مطالعے کے بغیر نہیں سمجھی جا سکتی۔

(پروفیسر ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی، علی گڑھ)

جوش ملیح آبادی کے
لفظیاتی و نفسیاتی رجحانات
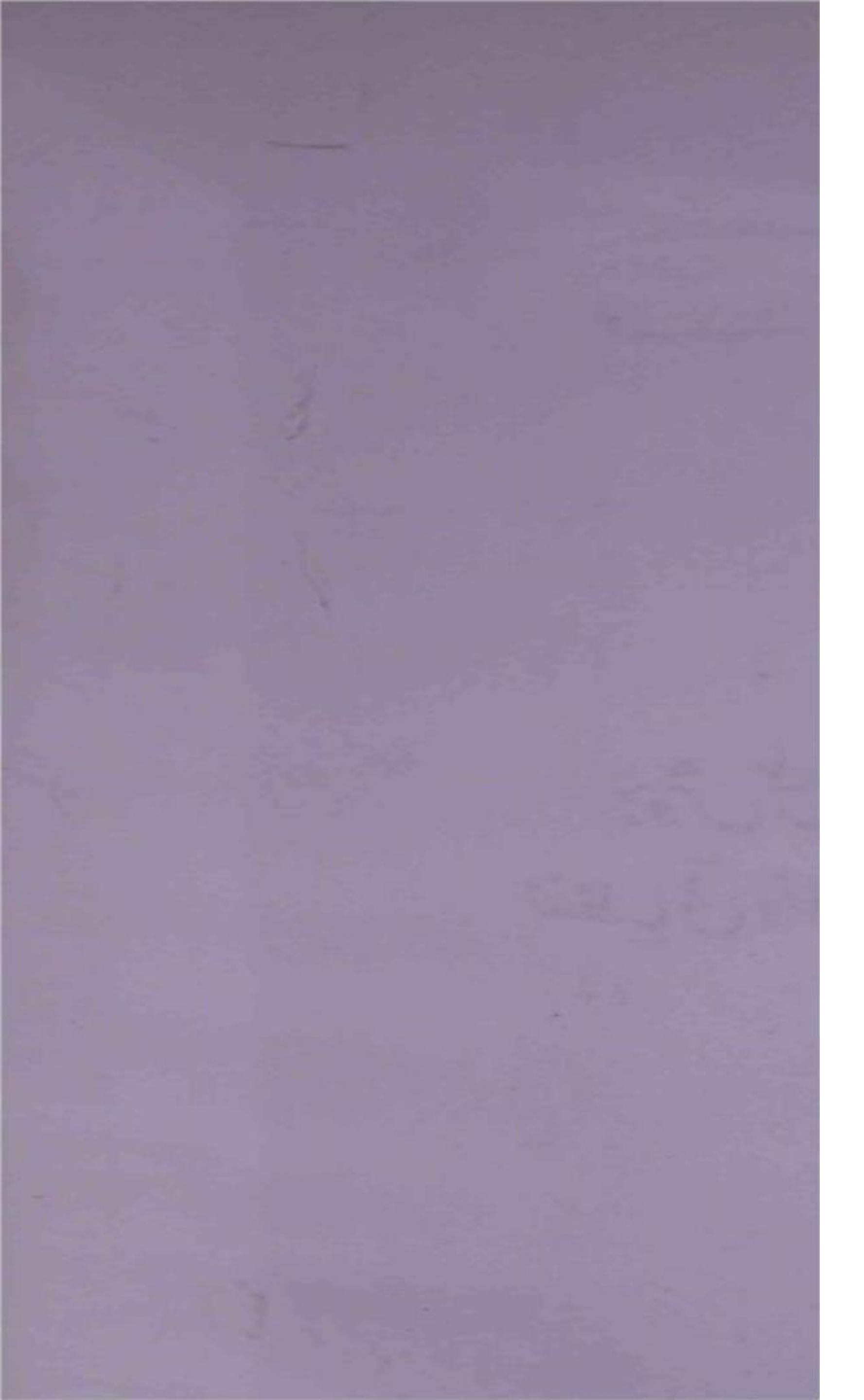
جوش ملیح آبادی کے
لفظیاتی ونفسیاتی رجحانات

جوش کی لفظیات ونفسیات کی افہام وتفہیم کے لئے ایک ناگزیر دستاویز

محمد عرفان

سابق صدر

شعبۂ انگریزی ادبیات، اسلامیہ کالج، بریلی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

JOSH MALIHABADI KE LAFZIYATI WA NAFSIYATI RUJHANAT

(A Psycho Linguistic Study of Josh Malihabadi)

by

Mohd. Irfan

Year of Ist Edition 2009

ISBN 978-81-8223-476-5

Price Rs. 150/-

نام کتاب : جوش ملیح آبادی کے لفظیاتی ونفسیاتی رجحانات

مصنف : محمد عرفان

پتہ : پروفیسر محمد عرفان، چھنگا والا چوک، قاضی اسٹریٹ نمبر 1
نگینہ، ضلع بجنور (یوپی) موبائل: 9359079968

سنِ اشاعت : ۲۰۰۹ء

قیمت : ۱۵۰ روپے

مطبع : عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

-: تقسیم کار :-

☆ محمد عرفان، اسلامیہ کالج، بریلی ☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

☆ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۳۱۰۸، گلی وکیل کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی

☆ مکتبہ جامعہ، علی گڑھ ☆ جامعہ اُردو بک ڈپو، علی گڑھ

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

انتساب

اپنی بیٹی ڈاکٹر درخشاں انجم

(P.G. Scholar in Environment & Ecology)

اپنے بیٹے محمد انس عرفان

اور

اپنی شریکِ حیات فہمیدہ صدیقی

کے نام

جن کا وجود میرے حوصلۂ تحریر وتقریر کا اصل سرچشمہ ہے

محمد عرفان

☆☆

تعارف

نام : محمد عرفان
قلمی نام : عرفان
تصنیفات بزبان انگریزی : عرفان رومانی
تاریخ پیدائش : ۱۹۳۸ء
ولدیت : حضرت مولانا محمد اسحٰق (مرحوم)
وطن : قاضی سرائے (اوّل) نگینہ، ضلع بجنور
رہائش : بریلی
تعلیم : بی، اے (آنرز) ایم، اے انگریزی ادبیات ڈپلوما ان فرنچ اینڈ عربک، دہلی یونیورسٹی
مشغلہ : تدریس انگریزی، اسلامیہ کالج بریلی (ریٹائرڈ)
تصانیف : اغثنی یا رسول اللہ (مجموعۂ حمد ونعت)، طرزِ غالب (تحقیق وتنقید)
دسترس (نظمیات جدید)، احتساب (کلاسیکی نظمیات)
صدائے جبرئیل (کردار ساز نثری تراشے)
کاش میں ایک پرند ہوتا (I wish i were a bird)
(A collection of author's own English poems)
(طبع زاد انگریزی منظومات)
اعزازات : رکنیت اترپردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ
اُردو اکادمی ایوارڈ (برائے دسترس)
بہار اُردو اکادمی ایوارڈ (برائے طرزِ غالب)

☆☆

فہرست

☆☆

مصنف کا تعارف:
مشاہرین ومعاصرین کے قلم سے

میری کتابوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ نصف درجن سے کچھ ہی زائد ہو پائی ہیں اور تقریباً اتنے ہی نثر ونظم کے مسودات اشاعت کے منتظر بھی ہیں۔ اردو کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی چند کتابیں (نظم ونثر) سامنے آچکی ہیں اور چند دیگر انگریزی تخلیقات مواقع کی منتظر بھی ہیں۔

درس وتدریس کے لحاظ سے انگریزی ادبیات پڑھانے کا شغل رہا ہے خاندانی وراثت نے فارسی عربی اور بہت کم فرنچ زبان کی استعداد بھی بہم پہنچاتی ہے۔

ایک طرف میری تخلیقات کی تعداد کم اس سے بڑا یہ سانحہ کہ میری تحریرات کی اشاعت کے درمیان فاصلۂ زمانی بہت۔ ساتھ ہی یہ المیہ بھی کہ انفرادی طور پر شدید ترین علالت وطوالت اور بیماری وتیمارداری کا بوجھ۔ مستزاد یہ کہ میں نہایت کم آمیز اور خلوت گزین ہوں، یہ محض ایک نعمت غیر مترقبہ ہے کہ میرے مبصرین ومحسنین کی تعداد توقع اور استحقاق سے کہیں زیادہ ہے اور ان میں سے بیشتر وہ جن سے میرا کوئی قریبی ربط وضبط نہیں ان سب حالات وواقعات کے باوجود جب میرے قلم کی ذراسی جنبش بھی اہل فکر ونظر کے سامنے آئی تو میرے رشحات قلم کو بڑی پزیرائی سے دیکھا گیا اور میری دریافتوں کو ایک خزینۂ زروجواہر کی جیسی قدرومنزلت سے نوازا گیا اور مشاہرین وماہرین فن نے مجھ کم علم کو اس طرح سر چڑھایا کہ باید وشاید چنانچہ جب میں اپنے مبصرین و محسنین کی خاصی طویل فہرست پر نگاہ ڈالتا ہوں تو ان کی ہر نگاہ ادب شناس مجھے اپنی بارش لطف وکرم سے شرابور کردینا چاہتی ہے اور میں ان کی فیاضانہ برتری اور اپنی تنگ دامانی وکمتری پر شرم

سار ہو کر رہ جاتا ہوں:-

اللہ رے میرے اشک ندامت کی آبرو
دریا بھی پوچھتے ہیں یہ موتی کہاں کے ہیں

ایسے مصادر فیوض و برکات پر یہ شعر وردزبان ہو جاتا ہے جو کسی منقبت کرب وبلا سے ماخوذ ہے اور جس میں استعارہ دریا مکرر کچھ کام کرتا نظر آرہا ہے:-

پکار اٹھتی ہے جب ان کو کوئی تشنہ لبی
ہر ایک ہاتھ میں دریا دکھائی دیتا ہے

میری کتابوں پر اکثر تبصرے بعد از اشاعت فراہم ہوئے اور ان حوصلہ افزا حضرات نے استعجابِ ادب نواز سے یہ سوال کیا اور میں نے یہ جواب پیش کیا۔

پوچھا یہ کس کے لفظ ہیں رشک مہہ و نجوم
دل نے کیا یہ عرض کہ مجھ بے زباں کے ہیں

میں اپنے تمام وسیع النظر مبصرین ومحسنین کا نہایت شکر گزار ہوں کہ ان نعمان کرم نے اگر مجھ میں ہنرمندی کا ایک شائبہ بھی دیکھا تو میرے باقی تمام عیوب ونقائص سے صرف نظر فرمایا اور یہی امید اب بھی لگائے ہوئے ہوں۔ کیونکہ:-

غلام ہمت آں عاشقان باکرم
کہ یک صواب چوں بینند صد خطا بخشند

میں آسانی سے کسی سیل وسیلاب کے رخ پر بہہ جانے والا انسان نہیں۔ اس لئے میری یہ کاوش اس احیائے جوش شناسی کی مرہون منت نہیں جو آج ہر صاحب رطب اللسان کے یہاں پورے زور وشعور کے ساتھ متلاطم نظر آتی ہے۔ میں نے اپنی جوش شناسی کی سلسلہ جنبانی ۱۹۷۸ء سے ہی شروع کردی تھی جیسا کہ شامل اوراق، عالی جناب ڈاکٹر سید نیر مسعود کے مکتوب گرامی اور بعد کو عالی جناب وریندر سکینہ صاحب کے مراسلۂ مورخہ ۱۹۸۷ء سے ظاہر ہو جائے گا۔ فاصلہ

زمانی کا میں پہلے ہی عرض پیش کر چکا ہوں ۱۹۷۸ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک کے درمیان میں مواقع کی فراہمی کی سہولت سے کچھ نہ کچھ لکھتا رہا اور یہ یاد نہ رہا کہ اس سے پہلے کیا لکھ چکا ہوں اس لئے تکرار مضامین کا امکان یقینی ہے۔ اس پر یہ بھی کہ کچھ تقاریر آل انڈیا ریڈیو کے لئے لکھی گئیں ایسے مضامین میں اختصار کے ساتھ ساتھ کچھ انشا پردازانہ چاشنی بھی شامل ہوگئی ہے اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ ایک خاص معذرت اپنے غیر رسمی اور غیر روایتی انداز فکر و تحریر کے لئے بھی حاضر ہے۔ اور مجھے پورا اعتراف ہے کہ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی میرا اسلوب تحریر و انداز فکر یقیناً بہت زیادہ Unprofessional اور Unconventional ہے جس کے لئے مزید از مزید معذرت خواہ ہوں:۔

ساری دنیا سے الگ ہے مرا تصویر کدہ
معذرت خواہ ہوں دنیا کے صنم خانوں سے

لیکن اس عیب کو میں نے جا بجا مغربی و مشرقی تقابل سے ڈھانپنے کی کوشش کی ہے اور میں تمام دنیائے ادب کو ایک غیر منقسم اکائی مانتا ہوں اور میرے نقد و نظر کے بنیادی ستون تجزیہ و تقابل یعنی Analysis and comparison پر قائم ہیں۔ اسی لئے کتاب کا اصل عنوان یہی ہے۔

یعنی:۔ جوش ملیح آبادی:۔ ایک تجزیاتی و تقابلی مطالعہ، بالخصوص لفظیات کے سیاق و سباق میں۔ اب چند اہل قلم کے تعارفی کلمات اور پھر متن کتاب کے مندرجات۔

کتاب کے مندرجات میں جوش ملیح آبادی کے چند لفظیاتی و نفسیاتی رجحانات کا ایک تقابلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اتمام و تکمیل کا شائبہ بھی ذہن میں نہیں۔ خدا جانے کتنے اہل قلم اپنے زر و جواہر سپرد کاغذ کر چکے ہیں اور آئندہ نہ جانے اہل نقد و نظر کیا کیا یافت و دریافت اور معلومات کا خزانہ پیش کریں گے ساقی گری کا کام ابد تک یونہی جاری رہے گا کیونکہ نہ جانے کتنے لاتعداد خوشہ ہائے انگور نارسیدہ و پوشیدہ میں جن کی افشردگی سے متلذذ ہونا باقی ہے۔

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک ست

ناکام ہوگئی ہیں شناسائیاں تمام
کہتے ہیں جس کو جوش عجب اجنبی سا ہے

راقم الحروف اپنے اندازِ نگارش سے شرمسار ہے کہ مشرق ومغرب کے تقابلی حوالوں کے بغیر کام ہی نہیں چلتا۔اس لئے امید ہے کہ فارسی وانگریزی ادبیات سے ذوق وشوق رکھنے والے حضرات خصوصیت سے لطف اندوز ہوں گے ساتھ ہی یہ التماس بھی کہ لغزش ولرزش سے درگزر فرمائیں۔

Bear with me if I slip any where

There are many pitfalls here'n' There

مضامین کا گراف نفی سے اثبات یعنی جوش ملیح آبادی کے یہاں کیا نہیں ہے سے کیا کچھ ہے کی طرف متحرک ہے۔اگر بے لاگ طور پر ''کیا نہیں ہے'' پر اشارے کئے گئے ہیں تو تا حدِ امکان کیا کچھ ہے کو بھی روشنی میں لایا گیا ہے۔لغزشوں اور فروگذاشتوں کے لئے معافی کی مکرر درخواست۔

''خدا حافظ۔''
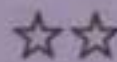
پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ،صدر ساہتیہ اکادمی ،نئی دہلی ۔کا پیغام
(مصنف کی تخلیق ترانہ اردو کے حوالہ سے)

جناب محمد عرفان نے ہر چند کہ تعلیم انگریزی میں پائی ہے لیکن دیوانے وہ اردو کے ہیں۔ میں اس لئے بھی ان کی قدر کرتا ہوں کہ وہ قدیم دہلی کالج کے سپوت ہیں۔آزادی کے بعد مرزا محمود بیگ دہلی کالج کے نہایت ہر دلعزیز پرنسپل تھے،فلسفہ ان کا موضوع تھا۔اردو اوڑھنا بچھونا، اردو کلچر کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔انگریزی ہو یا اردو،تقریر ایسی کرتے تھے،وہ کہیں اور سنا کرے کوئی!اس زمانے میں گورننگ باڈی کے چیئر مین ڈاکٹر ذاکر حسین ہوا کرتے تھے اور اراکین میں بھی کیسے کیسے جید لوگ تھے،ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین،ڈاکٹر تاراچند،پنڈت سندرلال، بخشی غلام محمد۔یہ میرے ایم اے کا زمانہ تھا۔غالباً محمد عرفان بھی اسی زمانے میں آگے پیچھے انگریزی (آنرز) کے طالب علم رہے ہوں گے۔پھر انہوں نے ایم اے انگریزی بھی وہیں سے کیا اور بعد میں اسلامیہ کالج، بریلی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔

قدیم دہلی کالج سے جو بھی نکلا،اردو کی چھاپ لے کر نکلا۔عرفان صاحب بھی کئی کتابوں کے مصنف و مولف ہیں جن کے بارے میں متعدد جید ادبی ہستیاں خراج تحسین پیش کر چکی ہیں۔ان کا اشہب قلم نظم و نثر دونوں میں رواں ہے۔ادھر انھوں نے اردو کی محبت میں ترانہ اردو لکھا ہے۔ان کی خواہش ہے کہ اس ترانہ اردو،کو سب کی سر پرستی حاصل ہو۔عوام اسے اردو کے قومی ترانے کے طور پر اختیار کریں اور مناسب وقت اور مقام پر باقاعدہ ٹولی بنا کر اس کو ساز و آہنگ سے گایا کریں۔انھوں نے ترانہ اردو،نہایت شیریں،رواں دواں اور سلیس زبان میں لکھا ہے۔ان کا فرمانا ہے:

"اردو زبان خود ایک مسلسل تاریخ ہے جو مادر گیتی کی تاریخ کے تسلسل سے پوری طرح نہ صرف جڑی ہوئی ہے بلکہ خود اسی کی پیداوار بھی ہے۔اس لئے اردو زبان ہندوستان میں بسنے

والوں کی زندگی سے بھرپور طور پر مربوط نظر آتی ہے۔ اپنے طول طویل تاریخی پس منظر اور سماجی ربط وضبط کی بنا پر اردو زبان میں ایک خاص طرح کے ہندوستانی کلچر کی تصویر اور اس کی تہذیبی خصوصیت کے عناصر کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ وطن عزیز کے ملکی اور قومی اتحاد و تعمیر میں اور خاص طور پر ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھی اردو کا بہت اہم رول رہا ہے۔ اردو زبان کے اسی تاریخ ساز کردار کی بنا پر اور مادر وطن کی قومی یکجہتی کے نظریہ کے تحت وطن عزیز کے تمام مختلف عناصر کو قریب لانے کے رول کے مدنظر یہ ترانہ اردو، تیار کیا گیا ہے تا کہ اردو بولنے والے فخر کے ساتھ اپنی زبان سے واقف ہو کر اپنے وطن عزیز سے اور زیادہ محبت کا اظہار کر سکیں اور وطن کی خدمت کے صحت مند جذبہ کو اور زیادہ فروغ دے سکیں۔"

میں ان کے جذبات اور دردمندی کی قدر کرتا ہوں۔ ان کے لئے دعا گو ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا ترانہ اردو، اردو کے بارے میں لکھی ہوئی نظموں میں اپنے لیے ایک خاص جگہ بنانے میں کامیاب ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(گوپی چند نارنگ)

(مصنف کے نام ایک مکتوب کے حوالہ سے)

ویریندر پرشاد سکسینہ (رکن اُردو اکادمی۔لکھنؤ)
نئی سرائے بدایوں
۱۹ ستمبر ۱۹۸۹ء

معظم ومکرّم تسلیم!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔مئی وجون ۱۹۸۷ء کے دوماہی اکادمی لکھنؤ میں آپ کا مقالہ:''جوش کے یہاں لفظیاتی وفور کے عوامل کا ایک تجزیہ'' پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔خدا آپ کو اردوادب کی خدمت کے لئے زندہ وسلامت رکھے۔

آپ سے ملنے کی تمنا ہے، دیکھئے آپ کب بدایوں آکر ملتے ہیں!

آپ کا خادم
ویریندر پرشاد سکسینہ
رکن اُردو اکادمی۔لکھنؤ

☆☆
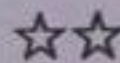
(مصنف کے نام ایک مکتوب کے حوالہ سے)

ڈاکٹر نیّر مسعود، ادبستان، لکھنؤ
۲۰/اپریل ۱۹۷۸ء

برادرم عرفان صاحب، آداب عرض!

ایک مدّت کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر نہایت مسرّت ہوئی۔ مزید خوشی اس بات کی کہ آپ جوش ملیح آبادی کے کلام پر ایک نئے زاویے سے غور کر رہے ہیں حقیقتہً کسی شاعر کو پرکھنے کا بنیادی معیار یہی ہے کہ وہ کتنے اور کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور کس طرح استعمال کرتا ہے۔ آپ یہ کام ضرور کیجئے اس لئے کہ انگریزی ادب پر غائر نظر رکھنے والا ہی اس کام کا حق ادا کر سکتا ہے۔

سلسلۂ مضامین کی تجویز بہت مناسب ہے۔ ماہنامہ نیا دور، ماہنامہ آجکل وغیرہ ان مضامین کو چھاپ سکتے ہیں۔ دس منٹ کے حساب سے ایک ریڈیو ٹاک لکھ کر اردو سکشن آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کے پتے پر بھیج دیجئے اور ساتھ ہی ایک خط لکھ دیجئے کہ یہ طبع زاد تقریر ہے، اگر ریڈیو کے ضابطوں پر پوری اترتی ہو تو پروگرام میں شامل کر لی جائے۔ میں بھی پروگرام پروڈیوسر شفاعت صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کروں گا۔

دیگر حالات بدستور ہیں۔ رفقائے کالج کا کیا حال ہے؟ بر سبیل گفتگو بتا دیجئے گا کہ میں سب کو یاد کرتا ہوں۔ خصوصاً فاروقی صاحب اور خلیل صاحب کو۔ آپ تو ایک مخلص بھائی کی طرح یاد آتے ہی ہیں۔

آپ کا
نیّر مسعود

☆☆

(مصنف کے نام ایک مکتوب کے حوالہ سے)

رام لعل
چیئرمین: فخر الدین علی احمد یادگار کمیٹی،
۳۸، درباری لال شرما روڈ، لکھنؤ (یو۔پی)

۳/اکتوبر ۱۹۹۲ء

ڈیئر محمد عرفان صاحب، آداب

آپ کا ۲۴/ستمبر کا خط معہ مضمون "رام لعل میری نظر میں" موصول ہوا۔ مضمون پڑھ کر یہ تو اندازہ ہوا کہ انگریزی ادب کے پروفیسر ہونے کی وجہ سے آپ بہت سے انگریزی مصنفین کے حوالے دینے پر پوری طرح قادر ہیں۔ لیکن میں ایک لمحے کے لئے بھی ہراساں نہ ہوا بلکہ اس مضمون کو جوں جوں پڑھتا گیا میری خوشی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لئے کہ آپ نے میری کہانی چاپ کی گہرائی تک پہنچنے کی ایک کامیاب سعی کی۔ میں نے اس کہانی کو ایک عجیب سے جذب کے عالم میں مکمل کیا تھا۔ جب اس کو شروع کیا تھا تو اس کا اختتام میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ پھر ایسا لگا کہ میں کسی طلسماتی یا غیبی تخلیقی قوت کی مضبوط گرفت میں آ گیا ہوں۔ مجھے اس کہانی کے علاوہ اپنی آٹھ سو سے زیادہ لکھی ہوئی کوئی دوسری کہانی اس قسم کی نظر نہیں آئی۔ جس نے مجھ سے اپنے آپ کو لکھوایا ہو۔ بہر حال آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے اسے اتنی توجہ سے پڑھا اور اس کے بارے میں ایک بھرپور تجزیہ بھی کر دیا۔

عنوان کے بارے میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ اگر اسے آپ "رام لعل کے افسانے چاپ کا تجزیاتی مطالعہ" کر دیں تو کیسا ہے؟ شروع میں رام لعل کا ذکر ضمنی ہے اور اصل مطالعہ و تجزیہ چاپ کا ہی ہے۔

اور میرا مشورہ ہے کہ اسے آپ ہاتھ سے لکھ کر (فوٹو اسٹیٹ نہیں) ڈاکٹر وزیر آغا مدیر ''اوراق'' ۵۸ سول لائنز سرگودھا (پاکستان) کو بھجوا دیں۔ وہ اسے ضرور شامل کرلیں گے اور آپ کے پاس اوراق باقاعدگی سے آنے لگے گا۔ یہ ایک سہ ماہی جدید اقدار کا اہم جریدہ ہے۔

آپ نے اسے اپنی کتاب میں بھی شامل کرلیا ہے اس سے مزید خوشی ہوئی۔

اگر اس کی ایک کاپی خان فہیم مدیر ''لمحے لمحے'' سرائے جالندھری بدایوں کو بھی بھجوا دیں تو وہ اسے رام لعل نمبر میں شریک کرلیں گے جو اب کتاب کے مراحل میں ہے۔

آپ کی خدمت میں دو ایک کتاب جو دستیاب ہوسکیں الگ ڈاک سے بھجوا رہا ہوں آپ کے مضامین کے مسودے کا انتظار رہے گا۔ مجھے یقین ہے آپ کلاسیکی و جدید انگریزی ادب کے عمیق مطالعے کی بنا پر اردو ادب کی تنقید میں بیش بہا اضافہ کرسکتے ہیں۔ اس طرف سنجیدگی سے توجہ دیجئے اوراق کے علاوہ میں آپ کے مضامین کی اشاعت کے لئے چند اور پاکستانی رسائل بھی تجویز کروں گا۔ جب آپ ملیں گے یا خط و کتابت جاری رکھیں گے تو اس موضوع پر گفتگو ہوئی۔

آپ کا مخلص

رام لعل
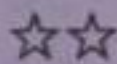
(مصنف کے مجموعۂ کلام دسترس کے حوالہ سے)

پروفیسر آل احمد سرور، سرسید نگر، علی گڑھ

آپ کا مجموعۂ کلام ''دسترس'' دیکھا۔ مختصر طور پر اپنے تاثرات لکھتا ہوں۔

پہلی بات جو مجھے پسند آئی وہ یہ ہے کہ غزل کے سیلاب کے دور میں آپ نے نظم پر پوری توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔ میں غزل کے خلاف نہیں لیکن نظم پر اور توجہ ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک اردو کا مستقبل غزل سے نہیں نظم سے وابستہ ہے۔ اس لئے نظموں کا کوئی مجموعہ دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے۔

دوسری بات جو مجھے اہم معلوم ہوئی وہ ''نظموں کا تنوع'' ہے۔ شعور و لاشعور۔ تشکیک۔ انفرادیت۔ ابہام۔ تخلیق آدم۔ طبقاتی جنگ وغیرہ سے آپ کے فکر کی گہرائی اور گیرائی ظاہر ہوتی ہے۔

تیسری بات جو قابلِ قدر ہے وہ نظموں کی آزادی فکر۔ اس فکر کی وجہ سے آپ سکہ بند اسلوب اور پٹریوں پر چلنے والی سوچ سے بلند ہو سکے ہیں۔ اپنے فکر وفن سے یہ وفاداری اور عام فکر سے آپ کی یہ آزادی اچھی لگی۔

چوتھی بات آپ کے اسلوب کے متعلق کہنا ہے۔ آرنلڈ (Arnold) نے کبھی کہا تھا۔ "Make it new" میں اس سے یہ مطلب لیتا ہوں کہ اپنی بات روایتی انداز سے ہٹ کر اور اپنی انفرادی فکر کے سائے میں کہی جائے۔

میرے نزدیک آپ کے اسلوب میں جو انفرادیت ہے اور اس کی وجہ سے جو تازگی ہے وہ بڑی چیز ہے اس کے ذریعہ آپ اپنی شناخت کرا سکتے ہیں۔

فکر وفن میں مشاہدہ کے ساتھ مطالعہ کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے مشرقی ادب کے علاوہ مغربی ادب کا بھی خاصہ مطالعہ کیا ہے اور فکر وفن کے رمز و رموز ابلاغ

اور ترسیل کے مسائل، ابہام اور تہ داری کے پیچ وخم سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ کے جمالیاتی شعور نے ان میں خاصی معنویت پیدا کر دی ہے۔

اس ضمن میں مجھے جو نظمیں خاص طور سے پسند آئیں وہ یہ ہیں:۔ دیو مالا۔ ابہام۔ اظہار۔ رجائیت۔ مہد تشکیک۔ اجنبی۔ تحت الشعور۔ دہرا پن۔ شکوہ۔ آج طبقاتی جنگ۔ ایک سراپا۔ کیا یہیں ختم ہو جائے گا یہ سفر۔

......آپ کا کلام مجھے تازہ ہوا کے ایک جھونکے کی طرح محسوس ہوا جس کے لئے مبارکباد قبول کیجئے......
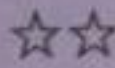
(مصنف کی تصنیف ''طرز غالب'' کے حوالہ سے)

طرزِ غالب پر ممتاز دانشور
عالی جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا اظہارِ خیال

جناب محمد عرفان کا نام اردو ادب کے شائقین کے لئے نیا نہیں۔ وہ انگریزی کے استاد رہے ہیں لیکن اردو ادب کے طالب علم، رمز شناس اور نقاد ہیں۔ انھوں نے غالب پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی کتاب ''طرز غالب'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی نے شائع کی ہے۔ ان کے کئی مضامین میں غالب پر جو اظہارِ خیال ہے وہ شاہراہ عام سے ہٹ کر ہے۔ انھوں نے غالب کے بنیادی استعاروں، مرکزی دلچسپیوں اور استعاروں و پیکری سے ان کے شغف پر بہت تازہ فکری سے کام لیتے ہوئے نکات اٹھائے ہیں۔

غالب کے کلام میں حواس خمسہ کی کارفرمائی پر ان کا مضمون اردو ادب میں شاید پہلی بار اس موضوع پر تفصیلی اظہار خیال کا حامل ہے۔

عرفان صاحب نے انگریزی ادب سے اپنی واقفیت کا بھی اپنی تحریروں میں جا بجا فائدہ اٹھایا ہے اور ان کے تنقیدی فضا میں وسعت اور تنوع ہے۔ ان کی نثر بھی شگفتہ، رواں اور مربوط ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی

۱۵/اپریل ۲۰۰۵ء

☆☆

(تصنیف طرز غالب کے حوالہ سے)

تبصرہ برائے آج کل۔دہلی Prof. Noorul Hasan Naqvi

طرز غالب: از محمد عرفان

(مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی)

محمد عرفان انگریزی ادب کے استاد ہیں۔اردو کے شاعر وادیب ہیں۔عالمی ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔کلام غالب ایک عرصے سے ان کی توجہ کا موضوع رہا ہے۔اور اس کا انھوں نے مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا ہے۔ان کی نگاہِ دوررَس نے کلام غالب میں بعض ایسے نادر نکتے نکالے ہیں کہ ان کے مضامین کو غالب شناسی میں ایک اہم اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

غالب کی شاعری سے متعلق محمد عرفان کے مضامین کتابی صورت میں طرز غالب کے نام سے اس وقت پیش نظر ہیں۔اس مجموعے میں ۱۶ مضامین شامل ہیں۔ہر مضمون کا مطالعہ کلام غالب کے سنجیدہ قاری کے لئے غور وفکر کے نئے دَروَا کرتا ہے۔تنقید نگار نے اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے کہ غالب سے پہلے اردو میں اس شاعری کا بول بالا تھا جو مشاعروں میں سنی اور سنائی جانے والی چیز تھی۔یہ وہ شاعری تھی جو سنتے ہی سمجھ میں آجاتی تھی اور سامعین کی صفوں سے صدائے تحسین بلند ہوتی تھی۔غالب نے شاعری میں فکری عنصر کا اضافہ کیا اور اسے ایک فلسفیانہ رنگ دیا۔اس لئے غور وفکر کے بغیر اس کی گرہیں نہیں کھلتیں۔اب یہ صرف سنی جانے والی چیز نہ رہی بلکہ توجہ سے پڑھی جانے والی شے بن گئی۔لیکن محمد عرفان کے الفاظ میں غالب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے فلسفے کی سنجیدگی اور منطق......... (باقی چند مزید صفحات پر

☆☆

(مصنف کی تصنیف طرز غالب کے حوالہ سے)

طرزِ غالب

پروفیسر ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی
شعبۂ اردو، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

جناب محمد عرفان کے مضامین کا مجموعہ 'طرز غالب' غالبیات میں ایک بیش قیمت اضافہ بھی ہے اور تنقیدی زاویۂ نظر سے مصنف کی انفرادیت اور فن شناسی کا عمدہ ثبوت بھی۔

اس کتاب میں مختلف زاویہ ہائے نظر سے غالب کے کلام کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ یوں تو غالب کے موضوعات، مضامین کی تکرار سے غالب کی افتادِ طبع کو سمجھنے کی کوشش اور غالب کی شوخی اور طباعی پر بھی چند مضامین اس کتاب میں شامل ہیں، مگر اس کتاب کا امتیاز ان مضامین کا مرہون منت ہے، جو غالب کے شعری لہجے، فنی ہنر مندی اور صناعی سے متعلق ہیں۔

محمد عرفان صاحب چونکہ انگریزی ادبیات کے استاذ رہے ہیں اس لئے نئے تنقیدی طریق کار سے ان کی آشنائی قابل قدر ہے۔ حواس خمسہ کے حوالے سے غالب کے اشعار کا مطالعہ یا پیکر تراشی کے دوسرے اسالیب کی تلاش، یا پھر غالب کے استعاروں پر بحث یا غالب کے کلام میں تکرار صوت، جیسے پہلو، نئی تنقید کے وہ زاویے ہیں جن سے عرفان صاحب نے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے، اور اس استفادہ کو اطلاقی طور پر غالب فہمی میں استعمال کر کے کامیابی حاصل کی ہے۔

مجھے اس تاثر کا اظہار کرنے میں بھی کوئی جھجھک نہیں کہ اس کتاب میں شامل چند مضامین نے مطالعہ غالب میں بعض نئی جہات کا اضافہ کیا ہے۔ ان مضاین کی صحیح قدر و قیمت ان کے مطالعہ کے بغیر نہیں سمجھی جاسکتی۔

ابوالکلام قاسمی ۴؍نومبر ۲۰۰۴ء

☆☆

ایک کتاب

(آل انڈیا دہلی اردو سروس سے نشریہ)

ڈاکٹر سید شریف الحسن نقوی

سیکریٹری اُردو اکادمی، دہلی

اس وقت میرے سامنے جناب محمد عرفان، ریٹائرڈ صدر شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج، بریلی کی مقبول عام کتاب ''طرز غالب'' کا تیسرا اڈیشن ہے۔ یہ کتاب غالب صدی تقریبات کے زمانہ میں پہلی بار طبع ہوکر شایقین ادب اور قدردانِ غالب کے سامنے آئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر چھوٹا بڑا ادیب غالب پر کچھ نہ کچھ لکھ رہا تھا۔ مگر محمد عرفان کی غالب سے متعلق کچھ مختلف النوع مباحث، استدلال سے بھرپور غالب فہمی کے سلسلے میں بے شمار نئے گوشوں کو لئے ہوئے کتاب ان کے سنجیدہ اور پر مغز تبصروں کے ساتھ شائع ہوکر ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ دراصل اس کتاب کے پیچھے عرفان صاحب کا علمی ذوق، ان کا انگریزی شعروادب کا عمیق مطالعہ خود ان کی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا ایسا مفکرانہ ادبی تجزیہ اور تنقید کے فن کی ان کی مہارت تھی جس نے کتاب کو وقیع اور قابلِ توجہ بنا دیا۔ ہر قاری ان کی بے لاگ تنقید مفکرانہ اور فلسفیانہ تجزیات، قابل قدر سنجیدہ فکر اور عالمانہ طرزِ تحریر سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ''طرز غالب'' کو عرفان صاحب کی طرزِ تحریر اور طرزِ فکر کا اعلیٰ نمونہ قرار دے دیا۔

یوں تو مصنف نے مباحث کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہی ہے مگر قاری کی نظر سے دیکھیں تو آپ کو غالب شناسی کے لئے ان کے......................

(باقی)

☆☆

(مصنف کی تصنیف صدائے جبرئیل کے حوالہ سے: مبصر: ڈاکٹر شمس بدایونی)

شاعر ۵۲

جنوری ۲۰۰۲ء

صدائے جبرئیل (نثری تراشے)

محمد عرفان

محمد عرفان بڑی متنوع شخصیت کے مالک ہیں۔ان کی اب تک پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کے مطالعے کے بعد یہ یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ نثر و نظم اور تخلیق و تنقید پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔

زیر نظر تصنیف میں وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ایک نئے رخ سے ہمارے سامنے لائے ہیں۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے نثری تراشوں کی صورت میں کسی علامت، حکایت، اشارت، کو تخلیقی صورت دیتے ہوئے اس سے انسانی سوچ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہے۔صدائے جبرئیل، وجدانی علامات و اشارات کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہے۔اس انداز پر اپنی سوچوں کو محفوظ کرنے کا اگر کوئی جواز پیدا کر لیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ۔مجموعہ تخلیقی ادب میں ایک طبع زاد اضافہ کے طور پر دیکھا جائے گا۔تعارف میں انہوں نے لکھا ہے:

''پوری کتاب کا نفس مضمون علائم اور استعاروں سے لبریز ہے اس لئے متن کتاب کا اصل ذائقہ معانی بین السطور سے لطف اندوز ہونے پر منحصر ہے۔

محمد عرفان نے اپنے وجدان کے ذریعہ کہیں علامات و اشارات اور کہیں واقعات و حکایات کے وسلیہ سے انسان میں خود شناسی اور خود تراشی کے کردار ساز معرکہ کو سرانجام دینے کی کوشش کی ہے جو افادیت سے خالی نہیں۔

ان تراشوں میں کہیں فارسی کہیں ہندی، اردو میں اشعار چسپاں کئے گئے ہیں۔فارسی اشعار کا خوبصورت ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے۔صدائے جبریل تہہ دار علائم و اشارات سے معمور ہونے کی بناء پر ہر بار نیا لطف اور نئی لذت فراہم کرتی ہے اور ہماری پژمردہ و افسردہ شخصیت کے گوشہ گوشہ میں ایمان و ایقان کی روشنی بہم پہنچاتی ہے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی

☆☆

پیش گفتار

جوش ملیح آبادی کے جتنے مجموعۂ کلام شائع ہوئے ہیں، اتنے ہی متعدد انتخابات بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن میں سے اس وقت ہمارے پیش نظر ڈاکٹر فضل امام کا انتخاب کلیاتِ جوش (ناز پبلشنگ ہاؤس، مٹیا محل۔ دہلی) اور ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی (صدر شعبۂ اُردو الہ باد یونیورسٹی، الہ باد) کا وہ انتخاب ہے جو ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ اشاعت پزیر ہوا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی نے شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ''ان کی شاعری میں اس توانائی اور دلکشی کا احساس رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا ہے، جو آزادی سے قبل نظر آتا تھا۔''

اس فقرہ سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اس توانائی اور دلکشی میں کمی کا سبب خود جوش کا کلام ہے یا ہماری جوش فہمی کی کمی یا خود ہماری پرکھ کا اپنا ہی قصور ہے۔ ہماری نظر میں خود ہماری جوش فہمی قصوروار معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہم جیسے کم نگاہ اور جلد باز ناقدین وقارئین نے ہی جوش ملیح آبادی کے ساتھ شاعرِ انقلاب کا وہ لیبل Label چسپاں کر رکھا ہے جو کہ اب ایک الزام یعنی ایک Libel بن گیا ہے اور جس سے جوش ملیح آبادی کی شہرت وعظمت کو وہی ضرر زیاں پہنچا ہے جیسے ترقی پسند تحریک کے لیبل نے اچھے بھلے شاعروں کو ایک دوسری طرح کی تنقید کا نشانہ بنا کر چھوڑ دیا ہے اور ترقی پسند تحریک کے زوال سے لے کر آج تک اس لیبل کے شعراء نہ جانے کس کس تدبیر سے زندہ بچنے Survive میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

کسی تخلیق کار پر ایک محدود و مستقل لیبل چسپاں کر رکھنا گویا اس کو قبل از وقت مرگ و فنا کے سپرد کر دینے کے مترادف ہے جبکہ جوش ملیح آبادی میں شاعر انقلاب ہونے کے ساتھ ساتھ متعدد ایسے دیگر دائمی ادبی قدروں والے اوصاف بھی موجود ہیں جو ان کے مستقبل زریں کی ضمانت

بن سکتے ہیں ورنہ تو حضرت جوش ملیح آبادی یہ گلہ کرنے میں جائز قرار پائے جائیں گے؟

قدرت سے ملا ہے مجھ کو صد حیف یہ حکم
بہروں کو سنائے جا فسانہ اپنا

ہماری نظر میں جوش ملیح آبادی بطور شاعر لفظیات بلکہ شہنشاہ لفظیات کے عنوان سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں کیونکہ خود انھیں اپنی لفظیاتی برتری پر فخر بھی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی تخلیق کار کے یہاں معانیاتی برتری ہے تو کسی کے یہاں لفظیاتی بالادستی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور تیسری صورت وہ بھی کہ کسی زیادہ خوش نصیب فنکار کے یہاں دونوں کا توازن ہم پلہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کی مشہور تصنیف ''ذوق وجستجو'' میں صفحہ ۳۱۰ پر تذکرہ خزینۃ الشعراء (قلمی نسخہ) پر کسی تقریظ سے ایک یہ مصرع دستیاب ہوا ہے

حق نے دیں ایک رقم میں انھیں تاثیریں دو[2]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی تحریر میں دو الگ الگ قسم کی تاثیریں ہو سکتی ہیں۔ مرحبا وہ فنکار جس میں دونوں تاثیریں بہ یک وقت موجود ہوں۔ وہ دو تاثیریں کونسی ہیں؟ ان کی نشاندہی اسی صفحہ پر دیئے ہوئے فارسی کے اس شعر سے ہوتی ہے

کم افتد چنیں نکتہ پرداز کم
کہ نازد بہ او لفظ و معنی بہم

یعنی ایسی ندرت فکر والے فنکار کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں الفاظ ومعانی دونوں کی خصوصیات بہ یک وقت پائی جاتی ہوں۔ تو گویا معانیات کے علاوہ لفظیات کی ایک الگ ممتاز و مرکزی حیثیت بھی مسلّم مانی گئی ہے۔

جوش ملیح آبادی شاعرِ لفظیات کے بطور اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ میں ہوں شاعر جادو بیاں
صدر معنی داور الفاظ امیر شاعراں (اعتراف عجز)

یہاں جوش نے اپنی امارت شاعری کے دعوے کی بنیاد اپنی جادو بیانی اور اپنی داوری لفظیات پر ہی محکم کر کے رکھی ہے اور یہ بھی کہ:

الفاظ کے سر پر نہیں اڑتے معنیٰ
الفاظ کے سینوں میں اتر کر دیکھو

اس طرح کرسی صدارت کو بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور صدر معنیات کے مستحق بھی قرار پاتے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی کی یہ داوری لفظیات اور سحر البیانی محض کسی فرضی دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ اہل ونقد ونظر کو ایک دعوت امتحاں کی بنیاد پر مبنی ہے کہ آئیں۔ پرکھیں، دیکھیں، چکھیں، پڑھیں، سمجھیں اور پھر لطف لیں۔ جیسا کہ عربی کے ایک مقولہ میں مشہور ہے کہ "لم یذق، لم یدر" اگر چکھا نہیں تو پھر ادراک بھی ممکن نہیں اس سلسلہ میں حضرت جوشؔ نے اپنے دعویٰ داوری لفظیات کی مزید توثیق مرزا غالب کے فارسی اشعار کے ذریعہ اس طرح کی ہے

دل سخن کی قسم روح شعر کی سوگند
کہ آج مجھ سا نہیں مرد نادرہ گفتار

ہر ایک لفظ مرا ذی شعور و نغمہ طراز
ہر ایک حرف مرا ذی حیات و زمزمہ بار

زہر ہنر کہ زنم لاف امتحاں شرط است
میاز ماؤ مکن پیش از امتحاں انکار

بلے کلیم و کاذب نبوّتم کو نیل
بلے خلیم و ناپختہ دعوتم کو نار

یعنی میں اگر اپنی عظمت و برتری میں کچھ تعلّی یا مبالغہ آرائی کرتا نظر آؤں تو میری لفظیات کی داوری وسروری کو کسی بھی امتحان کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا جائے لیکن پیش از امتحان کوئی فیصلہ ہرگز صادر نہ فرمایا جائے۔ اگر میری کلیمی والی نبوت جھوٹی ہے تو مجھے دریائے نیل کی غرقابی کے سپرد کر دیا جائے اور اگر میری ابراہیم خلیل اللہ والی دعوت فکر ونظر خام و ناپختہ ہے تو مجھے آتش نمرود کی بھٹی میں جھونک دیا جائے۔ جہاں سے میں پختہ سے پختہ تر ہو کر سلامتی کے ساتھ واپس

آؤں گا اور دنیا دیکھے گی کہ خود دریائے نیل مجھے پار ہونے کا راستہ فراہم کرے گا جبکہ میرے تنقیص کار فراعین غرقاب نیل ہوتے نظر آئیں گے۔

اب سوال اٹھے گا کہ چلو حضرت جوشؔ آپ کی داوری لفظیات تو مسلم لیکن اس اصطلاح نبوت کا کیا جواز؟ تو جواب ہوگا کہ اس کا جواز تو صدیوں سے اس تاثر میں موجود ہے کہ۔

"شاعری جزو ویست از پیغمبری"

لیکن یہاں ہم اس تضاد سے بھی بے خبر نہیں کہ جوشؔ ملیح آبادی کے لئے اصطلاح پیغمبری خارج از بحث ہے بقول خود

یہ شاعری ہے عرش کی بازیگری نہیں
یعنی خدانخواستہ پیغمبری نہیں

لیکن یہی امر ان کے متضاد پہلوؤں پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے کہ ان کا نفی بھی اثبات ہے اور اثبات بھی نفی۔

اس نبوّت کے سیاق وسباق میں فارسی کے یہ چار مصرعے نہایت مشہور ومعروف ہیں۔

در شعر سہ تن پیمبر انند
ہر چند کہ لانبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری وسعدی

یعنی دنیائے شعر وسخن میں تین شعراء کرام کو اپنے اپنے فن کا پیمبر تسلیم کرلیا گیا ہے اگر چہ حدیث قدسی ہے کہ سرکار عالم پناہ (روحی خداک) پر نبوت ورسالت کا سلسلہ مکمل ہو کر منقطع ہو چکا ہے۔ پھر بھی مثنوی میں فردوسی، قصیدہ نگاری میں انوری اور غزل تراشی میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنے اپنے طور پر منصب نبوت پر فائز نظر آتے ہیں۔

یہاں یہ دلچسپ لطیفہ بھی ملاحظہ ہو کہ تین پیمبران شعروسخن سے چوتھے کی گنجائش خود نکل آئی — یعنی۔

دانائے رموز ایں و آں ہوں اے دوست
مولائے اکابر جہاں ہوں اے دوست

کیوں اہل نظر پڑھیں نہ کلمہ میرا
میں شاعر آخرالزماں ہوں اے دوست

یہاں یہ فرض نہ کرلیا جائے کہ ہم آنکھ میچ کر جوش ملیح آبادی کی خودستائی کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں، ہم اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ہم پہلے جوش ملیح آبادی کو خود ان کے نقطۂ نظر سے جانچیں گے اور بعد کو ان کے حدود و منفیات کی تحقیق وتحدید کے لئے بھی وقت نکالیں گے۔ لیکن اس وقت ہم اس امر واقعہ Phenomenon کی تصدیق وتحریک ضرور کریں گے کہ جوش ملیح آبادی کی بیشتر تخلیقات اپنی روشن وفروزاں لفظیات اور زندہ وذی روح ادبیات کا ایک جیتا جاگتا شاہکار ہیں اور یہ کہ ان کی لفظیاتی عظمت صناعیانہ وجاہت، صوتیاتی گھن گرج اور غنائی بازگشت کے سبب سے سخن شناس نگاہوں میں ان کی قدر ومنزلت آج بھی موجود ہے اور ان کی شاعری میں اپنے لفظیاتی کارناموں کی بنا پر ابدالآباد تک زندہ رہنے کی صلاحیت پوری طرح کارفرما اور فعّال پائی جاتی ہے اور نیز یہ بھی کہ ان کی شہرت کا دارومدار صرف ان کے شاعر انقلاب ہونے پر نہیں بلکہ شاعر لفظیات ہونے پر بھی ہے۔

لفظیات کی حقیقت وماہیت کی پیمائش وفہمائش سے قبل ہم اس صورت حال پر پھر زور دیتے چلیں کہ لفظیات کی اصطلاح کو ہم اُس تخلیق کار کے سلسلہ میں زیادہ استعمال کرتے ہیں جس کی اکثر تخلیقات اور بیشتر تحریرات پر لفظیات کی بالادستی واضح طور پر نظر آتی ہے وہ جس کے اپنے دل وجگر میں لفظیاتی محاسن اپنا آشیانہ بنائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

یہ تمام احوال وکوائف ہمیں جوش ملیح آبادی کے کلام میں ایک خاص مطالعہ کے متقاضی نظر آتے ہیں۔ ان کا عالم یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو لفظیات کی عینک سے دیکھتے ہیں، وہ اپنی یلغار و مدافعت کی دونوں حالتوں میں لفظیات ہی کے ہتھیاروں کا استعمال کرتے پائے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں لفظیاتی عناصر ایک خاص رول ادا کرتے پائے جاتے ہیں یعنی اپنی لفظیاتی جمالیات کو بطور دلائل وبراہین کام میں لانا اور اس طرح اپنی لفظیات کے مخصوص تاثر کے زیر اثر وہ ایمان و ایقان پیدا کرنا جس کو S.T. Coteridge کے الفاظ میں۔

A willing suspension of disbelief کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

☆☆

لفظیات کی مختصر سی تحقیق

آج کے نقد ونظر میں جن نئی اصطلاحات کی روشنی میں کام کیا جارہا ہے ان میں لفظیات کی اصطلاح بھی شامل فہرست ہے باوجود اس حقیقت کے کہ برسوں قبل اطالوی ماہر جمالیات Croce کروچے نے Aesthetics Free from Linguistics کا اعلان کردیا تھا یعنی جمالیات لفظیات تک ہی محدود نہیں۔ اس لئے ہم لفظیات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ موقع ومحل کے مطابق دیگر متعلقہ پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے چلیں گے۔ لیکن پہلے لفظیات۔

لفظیات سے ہماری مراد کسی تخلیق کے اس لفظیاتی ملبوس سے ہے جس میں وہ تخلیق اپنی ساخت وپرداخت کے لحاظ سے معرض اظہار میں وجود پزیر ہو پاتی ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا (مرزا غالبؔ)

گویا لفظیات وہ قفس عنصری ہے جس میں کسی صاحب تخلیق کا طائر فکر، کوزہ میں دریا کی طرح مقید ومقفل ہو کر بے چین رہتا ہے کہ کسی طرح آزاد ہو کر فضائے بسیط میں مائل پرواز ہو جائے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا (غالبؔ)

لفظیات کی وسعت کتنی ہی بیکراں کیوں نہ ہو پھر بھی تخلیق کار یہی محسوس کرتا رہتا ہے۔

بہ قدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

(غالب)

یہاں ہم پوری دنیا کے ادب کو ایک غیر منقسم اکائی مانتے ہوئے لفظیات کی اصطلاح کو انگریزی کے ایک لفظ Diction کے سیاق وسباق میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ہم اس بات سے بھی باخبر ہیں کہ ڈکشن کا لفظ ساکت وجامد نہیں بلکہ متحرک وصاحب مسافت ہے جو عہد در عہد اور اصناف در اصناف اپنے معانی ومطالب میں کچھ سے کچھ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن کسی چیز کو خردبین Micro Scope سے دیکھنے کے لئے ایک جگہ ساکت کرکے اس کا مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ہم بھی لفظیات کو اس کے لغوی معانی میں اس وقت سر دست جو انگریزی کی ایک لغت بنام Random House Dictionary ہمارے سامنے ہے اس میں دئے ہوئے Diction کے معانی ومصادر کے سیاق وسباق میں دیکھیں گے۔

اس لغت کے مطابق Diction اپنے لاطینی مصدر Dictio سے متخرج ہے بمعنی Dictio = Word or oratory یعنی لفظ یا الفاظ کی بنیاد پر تعمیر کیا ہوا خطاب پھر Orate خود ایک مصدر ہے جس کے معنی یوں ہیں Orate= to speak pompously or formally یعنی قواعد وضوابط اور صَرف ونحو کی پاسداری کے ساتھ خودنمائی یا نمائشی انداز میں خطاب یا گفتگو کرنا۔

اس کے بعد Orate کے معانی کچھ مزید وسعت کے ساتھ حسب ذیل ہیں =Orate to plead یعنی پُرزور الفاظ میں کسی کی حمایت یا وکالت کرنا یا کسی خاص مقصد کے لئے لفظیاتی تاثرات کے ذریعہ سامع یا قاری میں ''آمادگی'' Persuasion پیدا کرنا۔

آگے چل کر Oration کا مکمل لفظ بھی اپنے خاص معنی رکھتا ہے جسے

Oration= a formal speech, especially delivered on a specific occasion

یعنی کسی خاص موضوع یا مقصد یا موقع کے لئے ایک لگا بندھا پُرزور خطاب

یعنی لفظیات کسی مخصوص صورت وہیئت میں وہ پُرزور پُراثر اور خیال انگیز ذخیرۂ الفاظ ہے جو سامعین وقارئین میں کسی موضوع یا مقصد کے لئے آمادگی پیدا کرسکے۔

اسی ڈکشن کے بارے میں آگے چل کر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

Diction= The accent, the inflection intonation...
and sound quality of a speech... as manifested by an
individual speaker

یعنی لفظیات کچھ مخصوص اور منتخب الفاظ کا وہ ذخیرہ جس سے بولنے، کہنے یا لکھنے والے کی لفظیاتی شخصیت کے خدوخال الفاظ کے صوتیاتی اور اسلوبیاتی تاثر کو نظر میں رکھتے ہوئے سامنے آئیں اور انھیں کسی دوسرے تبصرہ کار کے ذریعہ انہی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اجاگر بھی کیا جائے)

دوسرے الفاظ میں لفظیات سے مراد اس ذخیرۂ الفاظ سے بھی ہے جس سے لفظیات کی ہیئت وماہیت کے نتیجہ میں کوئی مخصوص کیفیت وتاثر بھی مطلوب ہو۔

لفظیات کو متاثر کرنے والے متعدد عوامل Motives ہوسکتے ہیں، جن کو کم از کم درجہ ذیل طور پر سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) موضوع، مطلب، مراد، مقصد اور غرض وغایت

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
ہوگیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

(۲) روئے سخن: یعنی قارئین وسامعین کا لحاظ وپاس

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

(۳) موقع ومحل کی تائید وتحدید

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

(۴) نصب العین: یعنی اپنے ذرائع ابلاغ کا فاتحانہ اظہار اور یہ اعلان کہ

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

(۵) توقع: یہ توقع اور یقین کہ ہر نظم کو یونان قدیم کا ایک Olympic یا Marathon یا قرون وسطیٰ کا ایک Tournament سمجھ کر بازی اور Trophy جیتنا ہی ہے اور اس لئے لفظیاتی ساحری اور جادوگری میں کوئی کسر چھوڑنا نہیں۔

اس کے بعد ہم لفظیات کے عربی مآخذ کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں اور

اب تک کے اس نتیجہ پر ناز کرتے ہیں کہ Diction کی اصطلاح کی ہر کسوٹی پر جوش ملیح آبادی ہمیں کھرے اترتے نظر آتے ہیں۔لفظیات کی اقسام وشمار اتنی ہی لاتعداد ہیں جتنی خود تخلیقات اور تخلیق کاروں کی تعداد۔اس لئے لفظیات کی یافت ودریافت کا کام نہ صرف دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔لفظیات کی ترتیب وتہذیب میں روایت وجدت، تجربات وتحریکات اور ترجیحات ومشاہدات کو بھی پورا دخل ہے نظریات وتحریکات کے عوامل بھی لفظیات کی تراش وخراش یعنی بڑے دوررس اثرات کے مدعی نظر آتے ہیں۔

اُردوادب میں لفظیات کی تاریخ گہوارہ اُردوہی سے شروع ہوجاتی ہے۔غزل، ہزل، زٹل، قصائد، مثنوی شہر آشوب نعت ومناقب حمد وثنا سلام۔طنز ومزاح، ہجو ومعائب نگاری، نسائیات وغیرہ سامنے کی مثالوں کے علاوہ اور نہ جانے کتنے اصناف سخن ہیں جو فرداً فرداً اپنی الگ الگ لفظیات کے متقاضی پائی جاتی ہیں۔

اُردو کے شعروادب میں نظیرا کبر آبادی کو لفظیات کا باقاعدہ طور پر باوا آدم قرار دیا جاسکتا ہے۔درمیانی کڑیوں میں انشاءؔ، مصحفیؔ، میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ اور ماضی قریب میں ترقی پسند مصنفین مثلاً فیض احمد فیضؔ اور پھر یگانہ چنگیزیؔ، شاد عارفیؔ اور مظفر حنفیؔ کو امتیازی مقامات حاصل ہیں۔اسی بیچ میں شب خون تحریک۔تجرید نگاری، علائم پسندی اور اب مسائل شعاری نے اپنے اپنے موقعوں پر بڑے بڑے کارنامہ انجام دیئے ہیں۔

لیکن اس تمام کہکشاں میں لفظیات کے فن کو عروج وکمال تک پہنچانے کا متواتر سہرا شہنشاہ لفظیات حضرت جوشؔ ملیح آبادی ہی کو حاصل ہے جو مجرد وبے جسم الفاظ کو لفظیات کی نازک ٹوٹی ہوئی کشتی کے ذریعہ حشر خیز اور قیامت انگیز سیلابوں کا سامنا کرتے ہوئے بالآخر ہر لفظ کو اس کے ساحل مراد تک پہنچا کر اور ہر ایک کو زندہ وذی روح اور مجسم ومتحرک لفظیات کی خلعت پہنا کر اپنی کامیابی وکامرانی کا لوہا منوا کر ہی رہتے ہیں۔

☆☆

لفظیات کے عربی ماخذ

لفظیات کے سلسلے میں مغربی ماخذ میں چھان بین کے بعد اب ہم لفظیات کے عربی ماخذ میں قسمت آزمائی کی طرف رجوع ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں پر ہم عربی کی مشہور لغت المنجد کے اُردو ترجمہ مطبوعہ کراچی میں علامہ مفتی محمد شفیع سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے عنوان "اختلاف لفظیات" میں نگاہ دوڑاتے ہیں اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ ہر انسان کے لب و لہجہ کا دوسروں سے مختلف ہونا بھی ایک طرح اختلاف لفظیات میں داخل ہے کیونکہ ایک ہی وسیلۂ اظہار یعنی پروردگار کی عطا کی ہوئی زبان اور حلق سے بولنے والے بنی نوع انسان اپنی اپنی بولی اور لب ولہجہ کے اعتبار سے بالکل ممتاز ہیں۔ ہر ایک کی آواز الگ پہچانی جاتی ہے۔ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے۔ ایک ہی طرح کے آب وگل اور غذا و ہوا میں پرورش پانے والے انسانوں میں زبانوں اور لب ولہجہ کا یہ اختلاف اور امتیاز، بلاشبہ قدرتی صنعت کاری کا اعلیٰ شاہکار ہے اور اس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔

☆☆

عربی زبان کی وسعت اور عربی زبان کا اعجاز

علامہ موصوف سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیں عربی زبان کے اس اعجاز سے بھی آگاہی ہوتی ہے کہ اس میں ایجاز واطناب اور طول واختصار دونوں ہی اوصاف ایک حیرت انگیز صنعت کی حد تک پائے جاتے ہیں۔

یعنی ایک طرف تو اتنا ایجاز واختصار کہ "خیر الکلام ما قل ودل" یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر بھی ہو اور مدلل بھی۔

اسی کے ساتھ عربی زبان کی جیسی وسعت بھی بے نظیر ہے عربی زبان کی اس بے مثال وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک چیز کے متعدد نام اور تقریباً ان گنت لغات پائی جاتی ہیں۔ ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں لغات اور لفظیات میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہی لفظ کے ان گنت مترادفات اور لاتعداد تضادات موجود ہیں۔

اس طرح اہل عرب ایجاز واختصار اور تفصیل واطناب دونوں پر بے مثال عبور رکھتے تھے۔ ڈاکٹر رضوان علوی نے اپنی تاریخ فنون وعلوم عباسیہ میں تحریر کیا ہے کہ درباروں میں اس بات کا مقابلہ ہوتا تھا کہ کس شاعر کو کتنے مترادف اور تضادات معلوم ہیں اور فتح پر فاتحوں کے دامن زروجواہر سے پُر کردئے جاتے تھے۔

اس سیاق وسباق میں جوش ملیح آبادی کا کلام عربوں کی مشق مبارزت اور مترادفات و متضادات کے قبیل میں آتا ہے۔

ہر فنکار اور ہر تخلیق کار کا اپنا انفرادی مقصد اور مطمۂ نظر ہوتا ہے۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک ہے جو فن سپہ گری سے لے کر تعداد وشمار میں آخری فن کار تک میں پائی جاتی ہے۔

یعنی اپنے آلات ووسائل اور اپنے ذرائع اظہار وابلاغ کی فاتحانہ نمائش، موسیقار ساز وآواز، مصوّر رنگ ونور، رقاص تن بدن، ادیب اپنی لغات ولفظیات پر اپنا عبور اور اپنا قابو دکھا کر ہی نفسیاتی وروحانی سیرابی وسکون محسوس کرتا ہے۔

بالکل اسی مقصد کے تحت جوشؔ ملیح آبادی تفصیل واطناب مترادفات وتضادات، لغات ولفظیات کی نمود ونمائش کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت لفظیاتی میدان میں اپنی برتری وبالادستی کا لوہا منوانے پر مصر نظر آتے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی کی اطناب وتفصیل کی مثال ان کی طویل نظموں میں موجود پائی جاتی ہے۔ ان کی ہر طویل نظم متعدد اکائیوں سے مرتب ہوتی ہے جس میں ہر اکائی اپنا الگ وجود رکھتی ہے اور باقی اکائیوں میں بڑی تعمیری تدبیر Architectonic Art کے ساتھ ایک دوسرے میں پیوست رہتی ہے۔

مثلاً ان کی ایک نظم مناجات ہے جو 1950 کے ارد گرد تخلیق ہوئی اس نظم میں تقریباً 214 اشعار ہیں اور اس نظم میں ایک ہزار سے زائد الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اس نظم میں مناجات کے عنوان کی مناسبت سے بندہ کی طرف سے خدائے پاک کی بارگاہ میں ایک عرض داشت ہے کہ اے خدا مجھ پر خود کو۔ خدا (یعنی خود۔آ) بن کر قابل دید وحاصل محسوسات کی طرح Manifest ظاہر کر اس میں خدائے تعالٰی کی برتری وبزرگی، حمد وثنا، التجا ودعا سب کچھ ہے جیسا کہ ہر مناجات میں متوقع طور پر ہوتا ہے لیکن یہ مناجات O Henry کے ناولوں، کہانیوں اور افسانوں کی طرح ایک غیر متوقع انجام Surprise Ending پر آ کر اچانک اختتام پزیر ہو جاتی ہے اور جوشؔ جو کچھ 214 اشعار میں کہتے چلے آئے تھے اسے اچانک سات اشعار یعنی چودہ مصرعوں میں بڑے غیر مناجاتی اور خالص ''جوشیانہ'' اندازِ انکار وبغاوت میں سمو کر پیش کر دینے کی قدرت کلام بھی دکھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اگر تو ہے در اصل ربِ غفور   تو خوش وضع و سنجیدہ ہوگا ضرور

جو یہ ہے تو راہ متانت سے آ   مرے روبرو باب حکمت سے آ

جو تو دادرا وہم انساں نہیں   تو اے تہمت وہم بن جا یقیں

یقیں ہے تو کیوں گم ہے گرداب میں   جھلک قصر دانش کی محراب میں

یقیں بن کے جب تک نہ آے گا تو
تو اے وہم دیرینۂ اہل ہو

رہ کفر کی خاک چھانے گا جوش
نہ مانا ہے تجھ کو نہ مانے گا جوش

اس طرح جوشؔ ملیح آبادی اپنے کلام میں تفصیل واطناب اور اختصار وایجاز دونوں پر یکساں قدرت رکھتے نظر آتے ہیں یقیناً کتاب روزگاران جیسا دوسرا فنکار دوبارہ مہیا کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی کی لفظیات کا مرعوب کن لب ولہجہ ہر عامی وخامی کو میسر نہیں۔ کسی دوسرے میں یہ صلاحیت نہیں کہ اپنے انکار وبغاوت کے تیور سے سامعین وقارئین میں حق الیقین جیسی آمادگی پیدا کر سکے۔ جوشؔ ملیح آبادی کا یہی فنی کارنامہ ہم میں فنی آسودگی، فنی لذت شناسی اور فنی تحیر وتعجب پر مجبور کر دیتا ہے بلکہ کسی مدعی میں یہ تاسف بھی کہ ہائے میں ایسا کیوں نہیں کہہ سکتا۔

جوشؔ کی اس کیفیت کو ہم لفاظی یعنی Verbosity یا محض Verbiage نہیں کہہ سکتے بلکہ کسی دوسری اصطلاح وضع ہونے تک ہم جوشؔ کی لفظیات کو لفظیات ہی کے معزز لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں جس میں ساحری اور جادوگری اس کا فنی نتیجہ ہے۔ لیکن ایسا فن جس کا تجزیہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن جس کو کامیابی کے ساتھ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆

جوشؔ کی لفظیات

جوشؔ کے کلام میں لفظیات کی سطح معانی ومراد کی سطح کی بہ نسبت بلند تر واقع ہوئی ہے۔ احساس کا لمس ان کی لفظیات کو اس طرح چھونے لگتا ہے جیسے اُبھرے ہوئے حروف کو انگلیاں۔ ان کا ہر لفظ نمایاں، ہر فقرہ فروزاں اور ہر عبارت جداگانہ طور پر درخشاں نظر آتی ہے۔ اگر ایک طرف ان کے معانی ومطالب قاری کے وجدان وفیضان کی تسکین کرتے ہیں تو دوسری طرف ان کے افکار والفاظ قاری کے ذوق جمال کو بھی پوری طرح سیراب کردیتے ہیں۔ اگر تشنۂ خیال ان کے چشمۂ معانی سے اپنی پیاس بجھالیتا ہے تو شائق جمال ان کے الفاظ کی آرائش ونمائش سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلیتا ہے۔ اگر ایک طرف ان کے خیالات کی نت نئی ایجاد ہمارے زاویۂ نگاہ کو بار بار اپنی طرف کھینچتی ہے تو دوسری طرف ان کے الفاظ کا ایجاب بھی ہم کو بار بار دعوتِ نظر دینے پر مائل دکھائی دیتا ہے۔ اگر جنت محض الفاظ کے حسن وجمال کا نام ہوتا تو جوشؔ کے کلام سے لطف لینے والا ذوق وشوق سے پکار اُٹھتا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است وہمین است وہمین است

اگر نگاہِ تحسین ادب میں محض الفاظ کی تراش وخراش کی طالب ہوا کرتی تو جوشؔ کی آراستہ وپیراستہ لفظیات کی صناعی وفیاضی کا ہر گوشہ بے ساختہ کہہ اُٹھتا

نظارہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

معنوی لحاظ سے جوشؔ کی لفظیات کو کئی طور سے تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) عباراتی لفظیات (۲) جمالیاتی لفظیات (۳) موضوعاتی لفظیات (۴) اصطلاحاتی لفظیات۔

تا ئثراتی لحاظ سے جوش کی لفظیات کو تین طرح پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) بلند آہنگ لفظیات (۲) سبک آہنگ لفظیات (۳) کم آہنگ لفظیات

(1. Oratorical high pitched words. 2. Non Oratorical average pitched or soft pitched lyrical words. 3. Words of common speech.)

ثقل وجسامت کے لحاظ سے جوش کی لفظیات کو ان انواع واقسام پر بانٹا جاسکتا ہے:

(۱) مفرد الفاظ کی لفظیات (۲) فقرہ جاتی لفظیات (۳) مرکّب الفاظ کی لفظیات۔

ماخذی طور پر جوش کی لفظیات کو تین طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) فارسی آمیز لفظیات (۲) ہندی نژاد لفظیات (۳) عام ناگزیر لفظیات

مقصد ومراد کے لحاظ سے جوش کی لفظیات کو تین طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے:

محاکاتی لفظیات (۲) توصیفی لفظیات (۳) ابلاغی لفظیات۔

عباراتی لفظیات سے ہماری مراد الفاظ کی اس شمار وقطار سے ہے جو سلسلۂ کلام کے لحاظ سے لازمی ولابدی نظر آتے ہیں۔ ویسے تو یہ عباراتی لفظیات فکر وخیال کے تانے بانے بننے میں ربط وعطف کی طرح جوش کی تمام منظومات میں بکھرے پڑے ہیں اور جوش کے کلام کے جوہر کے لئے عرض وجسم کا کام انجام دیتے ہیں لیکن خصوصیت سے یہ عباراتی لفظیات اس قسم کی سیاسیاتی وانقلاباتی انسانیاتی ووطنیاتی منظومات کا جزوِ اعظم ہیں جیسے "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب" "پیرزنِ لیگ" "کالج کے نوجوانوں سے" "چلائے جا تلوار" "وفادارانِ ازلی کا پیام" آدمی یا آدمیت کے عنوان کی تمام منظومات وغیرہ۔

یہ عباراتی لفظیات جوش کے خطیبانہ اسلوب کے پیش نظریوں تو سادہ وسپاٹ نظر آتی ہیں لیکن جہاں شعر وتخیل کے غلبہ کا بس چل جاتا ہے وہ ان عباراتی لفظیات کو فوراً معنوی و صوری طور پر خوبصورت فقروں میں تبدیل کر دیتے ہیں مثلاً درس آدمیت میں جوش اعلان کرتے ہیں کہ

نہ مندر سہانا نہ مسجد حسیں در آدمیت ہے مہر مبیں
کوئی چیز انساں سے بالا نہیں ہر اک شے گماں صرف انساں یقیں
امینِ خزاں و بہار آدمی گلستاں کا پروردگار آدمی

حسین و صبیح و صنم آدمی نگارِ حدوث و قدم آدمی
نہ ہندو نہ گبر و مسلماں بنو اگر آدمی ہو تو انسان بنو

جمالیاتی لفظیات سے ہماری مراد جوشؔ کے ان وسائل اظہار وابلاغ سے ہے جن کے توسط سے وہ حسن و جمال، شراب وشباب کی کیفیات کو ہم تک پہنچاتے ہیں، مثلاً یار پری چہرہ کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ یارِ پری چہرہ کہ کل شب کو سدھارا
طوفاں تھا تلاطم تھا ، چھلاوہ تھا شرارہ
گل بیز و گہر ریز و گہر بار و گہر تاب
کلیوں نے جسے رنگ دیا گل نے سنوارا
نوخواستہ و نورس و نو طلعت و نوخیز
وہ نقش جسے خود ید قدرت نے اُبھارا
خوں ریز و کم آمیز و دل آویز و جنوں خیز
ہنستا ہوا مہتاب دمکتا ہوا تارا
خوش چشم و خوش اطوار و خوش آواز خوش اندام
اک خال پہ قربان سمرقند و بخارا
گل پیرہن و گل بدن و گل رخ و گل رنگ
ایماں شکن آئینہ جبیں انجمن آرا

جوشؔ کے یہاں جمالیاتی لفظیات اگرچہ حسن و جمال اور شراب وشباب والی منظومات کے لئے یقیناً مخصوص نظر آتی ہیں تاہم یہ جمالیاتی لفظیات ہی ہیں جو جوشؔ کے اسلوبِ نگارش اور طرز بیان کے لئے اصل الاصول اور روح الارواح کا مقام رکھتی ہیں اور جوشؔ کے طرز کلام کا اصلی جوہر اور اس کے خاص ذائقہ کو خود میں محصور و محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ اصل میں جوشؔ کے لفظیات کے تین ہی مدارج ہیں:

(۱) عباراتی لفظیات
(۲) جمالیاتی لفظیات

(۳) خطیبانہ انداز یا بلند آہنگ لفظیات

باقی جو کچھ بھی ہے گویا اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ جوش کی یہ فطرت ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس کے لئے بہتر سے بہتر اور حسین سے حسین لفظیات کا انتخاب کیا جائے اور یہ خصوصیت جوش کے تمام اسلوبِ نگارش کو حاوی ہے۔ اس لئے اس کی مثالیں جوش کے کلام کے ہر حرف اور ہر لفظ میں ہمارے لئے مہیا پائی جاتی ہیں۔

جوش کی ایک یہ بھی الگ سے انفرادی خصوصیت ہے کہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اس پر حرف آخر کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ عنوان کے تحت ان تمام لفظیات کو یکجا کر دکھاتے ہیں جو اس موضوع سے متعلق کوئی لغات وفرہنگ کسی کو مہیا کر سکتی ہے۔ جوش کی خمریات اس کا ایک زندہ ثبوت ہیں۔

جوش کے موضوعات کا اشاریہ ہمیں ان کی منظومات میں جا بجا ملتا ہے۔ مثلاً ''اعتراف عجز'' میں اپنے موضوعات کا اتا پتا دیتے ہوئے کہتے ہیں

کچھ مناظر کچھ مباحث کچھ مسائل کچھ خیال
گاہ حرف بے نوائی گاہ شور انقلاب
گاہ مرنے کے عزائم گاہ جینے کی امنگ
اور یہاں عورت، مناظر، عشق صہبا طبل و جنگ
گاہ سوزِ چشم و ابرو گاہ سازِ ناؤ و نوش
گاہ خلوت کی خموشی گاہ جلوت کا خروش
چہچے کچھ موسموں کے زمزمے کچھ جام کے
دیرِ دل میں چند ٹکڑے مرمریں اصنام کے

''جمال وجلال'' میں کہتے ہیں

نصرت غریب کو ہو یہی بس جنون ہے

جوش نے جن موضوعات کی نشان دہی کی ہے، انہوں نے ان پر صرف فکر وخیال ہی سے نہیں بلکہ لفظیات کے ذریعہ بھی پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یوں تو ان کی سبھی نظمیں موضوعاتی لفظیات کا شاہ کار ہیں لیکن ان کی نظم ''بغاوت'' خاص طور پر اس معنیٰ میں حرف

آخر ہے کہ اس نظم میں جوش نے انقلابیاتی لفظیات کے خزانوں کا پتہ لگا لینے میں گویا کمال ہی کر دکھایا ہے اور ان تمام فرہنگ ولغات کو یکجا طور پر مہیا کر دیا ہے جو بغاوت یا انقلاب کے موضوع سے متعلق اُردو ادب میں میسّر آسکتی ہیں۔ ''بغاوت'' بزبان خود کہتی ہے

اللہ اللہ بزمِ ہستی میں مری گل باریاں
ٹکڑے ٹکڑے دست و بازو ریزہ ریزہ استخواں
الامان و الحذر میری کڑک میرا جلال
خون سفاکی گرج طوفان بربادی قتال!
برچھیاں، بھالے، کمانیں، تیر، تلواریں، کٹار
بیرقیں، پرچم، علم، گھوڑے، پیادے شہسوار
باندھتی ہوں شہریوں کے سر پہ یہ کہہ کر کفن
تم ہو اشجع، ناوک افگن، صف شکن شمشیر زن
تم ہو غازی، جنگجو، لشکر شکن، میر سپاہ
تم ہو رُستم، مرد میدان، شیر دل عالم پناہ
تم ہو سر لشکر، سپاہی، برق پیما سخت کوش
تم ہو صفدر، سورما، ساونت، سرکش، سرفروش
میرے گرد و پیش کی ہنگامہ خیزی الاماں
شور، غوغا، غلغلہ، فریاد، واویلا، فغاں
ابتری، وحشت، تزلزل، طنطنہ دہشت فساد
دبدبے، گرمی، کشاکش، دغدغے، ہلچل، جہاد
پھر تو جاتا ہے جدھر میرا جنونِ تند خو!
پشت پر ہوتی ہیں لاشیں، ہڈیاں، ڈھانچے، لہو

اصطلاحاتی لفظیات میں جوش کی قادر الکلامی اپنے نقطۂ عروج کو چھو لیتی ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو خاص خاص مواقع پر بطور اصطلاح بولے جاتے ہیں اور یہ الفاظ ذرا سے اشارے پر صرف اسی شخص کی زبان پر جاری ہو سکتے ہیں جس کے آگے الفاظ آراستہ و پیراستہ کھڑے ہوں

اور خدمت گزاری کے لئے صرف جنبش سر کے منتظر ہوں۔ چند مثالیں مختلف مآخذ سے ملاحظہ ہوں۔

حسینؓ اور انقلاب میں کہتے ہیں۔

تلوار ہاں اُپی ہوئی تلوار دوستو

فیضانِ ساقی میں کہتے ہیں۔

لوچ بھی ایسا جو ہوتا ہے اُپی تلوار میں

وفادارانِ ازلی میں کہتے ہیں۔

جیسے کوئی دھار چھوتا ہو اُپی تلوار کی

ماتمِ آزادی میں کہتے ہیں۔

ہر لوچ ایک اُپی ہوئی تلوار بن گیا

ماتمِ آزادی میں دوسری جگہ کہتے ہیں۔

گھر اپنا گھر گرہست ہی خود موسنے لگی

تحسین ناشناس میں کہتے ہیں۔

اُڑتی سی خوب خوب چھلتی سی واہ واہ

(چھچھلتی)

کسان میں لئے کہتے ہیں۔

جس کی محنت سے پھپکتا ہے تن آسانی کا باغ

ماتم آزادی میں کہتے ہیں۔

بوندیں پڑیں تو اور بھی گلشن دندک گیا

لافانی حروف میں کہتے ہیں۔

روشنائی سے جھمکتے خال و خط کو جھالتی

شمسۂ قصر ہنر پر جھلائیں گے حروف

(جھلجھلائیں)

یہ اسالے جائیں گے تاج و کمر کی دھوپ میں

فکر کو الواسطی مسطر کی جوئے سلک پر

مولوی میں کہتے ہیں۔

اُٹنگا پائجامہ دلق و در بر

شباب مرعوب شیب میں کہتے ہیں۔

سینے میں اُمس سی ہو رہی ہے

نزولِ آدم میں کہتے ہیں۔

پتھروں میں کنمناتے ناتراشیدہ صنم

سبک آہنگ لفظیات جوشؔ کی ہلکی پھلکی گیت جیسی نظموں کی زیب و زینت نظر آتی ہیں۔ یہ لفظیات اپنی نرمی، نازکی، گھلاوٹ، سیال پن اور ریشم یا مخمل جیسے نرم نرم لمس کی وجہ سے خاص طور پر لائق توجہ ہیں اور اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ وہ جوشؔ جس کی دسترس میں عمیق سے عمیق اور مغلق سے مغلق الفاظ رہتے ہیں اس کی رسائی ان سبک اور نرم و نازک الفاظ تک بھی ہے جو گویا ترنم اور نغمگی کی جان ہیں اور غنائیہ شاعری کی ایک انفرادی شان ہیں۔ جوانی کے عنوان کی اکثر نظمیں، زندگی کے اکثر نغمے، شراب وشباب کی بیشتر غنائی منظومات کا تانا بانا اُنہی سُبک آہنگ الفاظ سے بُنا گیا ہے۔

اُٹھتی جوانی میں کہتے ہیں۔

نفس میں پھولوں کی سی مہک ہے جبیں پہ خورشید کی دمک ہے
کمر میں تلوار کی لچک ہے نظر میں بجلی کا آشیانہ

جوانی کی آمد آمد میں کہتے ہیں۔

گیا لڑکپن نئی جوانی نئی اداؤں سے آرہی ہے
جبیں پہ غنچے کھلا کھلا کر نظر میں دھومیں مچا رہی ہیں
جھجک جھجک کر نکیلی پلکیں زبان کے سانچے میں ڈھل رہی ہیں
مچل مچل کر رگوں میں شوخی قدم اُٹھانا سکھا رہی ہے
لچک لچک کر ہر اک قدم پر کمر میں بل پڑ رہے ہیں پیہم
سنک سنک کر ہوائے عشوہ گھنیری زلفیں ہلا رہی ہے

البیلی صبح میں یہ سبک آہنگ الفاظ کلاسیکی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

روش روش نغمۂ طرب ہے چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو سکھا رہی ہے

دوسری جگہ اسی کلاسیکی فنکاری، اسی سادگی و پرُکاری کے لہجے میں غزل سرا ہوتے ہیں۔

اے نرگسِ جاناں یہ نظر کس کے لئے ہے
یہ شعلہ یہ بجلی یہ شرر کس کے لئے ہے
اے قامتِ بالا و بلند اے قدموزوں
یہ سرو یہ شاخِ گل تر کس کے لئے ہے
اے عارضِ ناشستہ دروئے عرق آلود
یہ شہد، یہ شبنم، یہ شکر کس کے لئے ہے
اے تیرے قدم پر سرِ خوبانِ سر افراز
یہ ناز یہ دُزدیدہ نظر کس کے لئے ہے

ترانۂ آزادی وطن میں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔

فلک پہ اوجِ کہکشاں زمیں پہ موج گنگ ہے
تنِ عروسِ ہند پر قبائے شوخ و شنگ ہے
فسونِ عود و چنگ ہے جنونِ آب و رنگ ہے
ترانہ ہے ترنگ ہے اُبھار ہے اُمنگ ہے
ہوائے شاخسار میں نوائے آبشار ہے
بڑھو کہ رقص و رنگ ہے اُٹھو کہ نوبہار ہے

اس کا دوسرا پہلو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ مفلسوں کی گمرہی یہ منعموں کی رہ زنی فراز کے یہ قہقہے نشیب کی یہ جاں کنی

یہ بے دلی یہ بے رُخی یہ برہمی یہ بدظنی   رمیدگی و شعلگی، کشیدگی و دشمنی

غبارِ حرب و ضرب ہے خروشِ گیرودار ہے

خزاں کہیں گے پھر کسے اگر یہی بہار ہے

بلند آہنگ لفظیات کا تعلق جوشؔ کی خطیبانہ شاعری سے ہے جوشؔ کی اس شاعری کے الفاظ اپنی شان وشوکت، اپنے فراز وشکوہ، اپنے طنطنہ و طمطراق کے لئے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ جہاں جوشؔ کا تخیل نہایت بلند پرواز High Soaring اور بلند بانگ Elevated ہوتا ہے وہاں، خاص طور پران کے اشعار بلند آہنگ لفظیات میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ جوشؔ کا عام رنگ یہی ہے کیونکہ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اس میں انتہا کردینا چاہتے ہیں تاہم جوشؔ کی بلند آہنگ لفظیات کی فضا ''جمال وجلال'' ذاکر سے خطاب، مہاتما گاندھی، حسینؑ اور انقلاب اور ان جیسی دوسری نظموں میں خاص طور سے نمایاں ہے۔

''مہاتما گاندھی'' کی شہادت پر اشک افشاں ہوتے ہیں۔

اے ہوائے گرم سے پژمردہ باغ مشکبار   اے جفائے سنگ سے بشکستہ جامِ زرنگار

موت کے مارے ہوئے اے زندگی کے تاجدار   اے خزاں کی دھوپ میں سوئے ہوئے پیکِ بہار

اے اجل کی ظلمتوں کے آبِ حیواں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

''جمال وجلال'' میں اپنی متضاد مگر آفاقی طبیعت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وہ نغمہ ہوں کہ جس کی نہیں کوئی ایک لَے

وہ نالہ ہوں کہ ہو نہیں سکتا جو وقفِ نَے

دل میں نہاں ہے دہر کی ہر سرد و گرم شے

تریاق و زہر و زمزم و زہراب و قند و مے

شاعر کا دل فقیر بنے اور لکیر کا

سنگم ہوں رود ہائے حدید و حریر کا

''حسینؑ اور انقلاب'' میں اس طرح جگر افگار ہوتے ہیں۔

لبریز زہر جور سے وہ دشت کا ایاغ
دکھتے ہوئے وہ دل وہ ٹپکتے ہوئے دماغ
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ
پُر ہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؑ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

کم آہنگ لفظیات اور عباراتی لفظیات دونوں دراصل ایک ہی ہیں۔ شاعر ازاوّل تا آخر ایک نقطۂ عروج یعنی Climax پر نہیں رہ سکتا۔ جہاں کہیں اس عروج اس بلند پروازی اس فلک رسائی کی ضرورت نہیں ہوتی تو شاعر عام انسانوں کی زبان میں گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ اس عام لب ولہجہ کو ہم نے "عباراتی لفظیات" یا "کم آہنگ لفظیات" کا نام دیا ہے۔ یہ کم آہنگ لفظیات جوشؔ کی بیشتر طویل نظموں میں بلند آہنگ لفظیات کے دوش بدوش اپنے فرائض کو انجام دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

"مفرد الفاظ" وہ ہیں جن کو جوشؔ بغیر کسی اضافت کا سہارا لئے ہوئے شبنم کے قطروں، موتی کے دانوں یا ہیرے کی کنیوں کی طرح برابر برابر، یکے بعد دیگرے، شمار اندر شمار اور قطار اندر قطار سجاتے چلے جاتے ہیں۔ جوشؔ کی بیشتر منظومات مفرد الفاظ کے وفور سے لبریز ہیں۔ ان کا مقصد اشیاء کو گِنانا، احوال و کوائف کو محصور و محدود کر کے پیش کرنا، ایجاز و اختصار کے کرتب دکھانا یا اشیاء کی ہو بہو تصویر پیش کرنا ہوتا ہے۔ مفرد الفاظ یوں تو جوشؔ کی تقریباً سبھی منظومات میں جہاں تہاں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کی نظم "بغاوت" اور "پند نامہ" اس کے لئے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بغاوت والی نظم کا حوالہ اس گفتگو میں پہلے ہی دیا جا چکا ہے اور "پند نامہ" کو ہم نے ایک دوسری گفتگو کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

مفرد الفاظ تقریباً اس قسم کے تمام ادب کی جان ہیں جس میں منظر نگاری یا تصویر کشی کی گئی ہو ہندی میں یہ فن واقع نگاری یعنی वसतु वर्णण کے تحت آتا ہے۔ انگریزی ادب میں کیٹس اور ٹینی سن (Keats & Tenny son) اس مفرد نگاری کے لئے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پوپ اور ڈرائیڈن میں اور خاص طور پر پوپ کے رزمیۂ زلف و گیسو یعنی Rape of the Lock

میں اس کی بیشتر مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ والٹ وھٹ مین Whitman کے یہاں اوراق کے اوراق مفرد نگاری کے لئے وقف ہو گئے ہیں اُردو میں جوش کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے۔

دو یا دو سے زیادہ مفرد الفاظ کو اضافت یا بغیر اضافت ملا دینے سے مرکب الفاظ کا وہ خوبصورت مجموعہ پیدا ہوتا ہے جس کو ترکیب یا بندش کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری بلکہ کسی بھی شاعرانہ کلام کے لئے بندش و ترکیب کا استعمال تقریباً ناگزیر ہے اگرچہ ایسا کلام بھی بلند و بالا ہوسکتا ہے جو بیشتر اضافتوں سے معرّیٰ ہو مثلاً حالؔی کا کلام۔ جوشؔ کا کلام مرکب الفاظ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی حسین ترکیبوں اور خوب صورت بندشوں کا ایک خیال انگیز اور انبساط آمیز گلدستہ ہے جس میں بندش و تراکیب اگرچہ جوشؔ کے حسن ایجاد یا کاوش اختراع کا نتیجہ نہیں لیکن محل استعمال اتنا نادر و منفرد ہے کہ عام اور فرسودہ الفاظ میں جان پڑ جاتی ہے اور ان الفاظ کے چہروں پر وہ تازگی توانائی تمتمانے لگتی ہے کہ خود ایجاد و اختراع منہ تکتی رہ جاتی ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

شورِ قُلقُل مجھے گلبانگِ اذاں ہے ساقی — پائے جاناں پہ کروں کیوں نہ پیاپے سجدے
شمعِ محرابِ جہانِ گذراں ہے ساقی — ہاں پلا آتشِ سیّال کہ جس کی ہر بوند

خزاں گزیدہ ہے تو کشتۂ بہار ہوں میں — جہانِ حُسن و محبت کا تاجدار ہوں میں

تو یہ زمین ہی ہوتی نہ آسماں ہوتا — اگر قدم نہ محبت کا درمیاں ہوگا

نہ کوئی بہرہ درِ مرگِ ناگہاں ہوتا — نہ کوئی زمزمۂ عمر جاوداں سنتا

نہ کوئی زُہرہ جبیں فتنۂ جہاں ہوتا — نہ کوئی سیم بدن آفتِ زماں بنتا

پھر باڑھ پر ہے عشوۂ تڑکا نہ آجکل — پھر جوش پر ہے موسم برنائی جمال

پھر لائق سجود ہے مینائے زرنگار
پھر قابلِ طواف ہے خُم خانہ آج کل

اے کہ گیسو کی طرح نرم و سیہ فام ہے تو
چشم بد دور کہ خالِ رخ ایام ہے تو

آج پھر جام میں محبوبۂ گلفام نہیں
آج پھر صبح قیامت ہے یہاں شام نہیں

مرکب الفاظ میں اضافت اور تواصل کے سلسلے سے فارسی کی آمیزش آجاتی ہے اور اسی لئے جوشؔ کے کلام کا بیشتر حصہ تراکیب وبندش کی بہتات کی وجہ سے فارسی آمیزش کی چاشنی رکھتا ہے تاہم ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں ہے جس میں زیادہ تر اُردو کا غلبہ ہو اور فارسیت دوسرے بلکہ تیسرے درجہ کے خانے میں نظر بند کردی گئی ہو حوالے کے لئے دیکھیے "درد مشترک"، "مقام شیخ"، "لے کا بادل" "دولہا کی واپسی" "ماں جائے کی یاد" "رشوت" "بہن کی یاد" "کل رات کو" "چاند کے انتظار میں تارے" "پہلی مفارقت"۔

ماخذ کے لحاظ سے جوشؔ کے یہاں خوبصورت ہندی نژاد الفاظ کا ذخیرہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ جوشؔ کا مشہور گیت "یہ کون اٹھا ہے شرماتا" ہندی نژاد الفاظ کے استعمال کی خوبصورت ترین مثال ہے۔

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل
اُلجھا اُلجھا زلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل
سرخ پپوٹے نیند سے بوجھل
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

☆☆

جوشؔ کے یہاں لفظیاتی وفور کے عوامل کا ایک تجزیہ

شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی، علامہ اقبالؔ کے نظریۂ حیات کے خواب کی لسانیاتی تعبیر ہیں۔ فرمودۂ اقبالؔ ہے۔

"جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

یہ پیہم حرکت واضطراب، یہ روانی وفراوانی، یہ طوفان آشنائی، یہ پلٹ جھپٹ، یہ لہو کی گرمی، یہ لفظوں کی شاہینی جوشؔ کے اسلوبِ نگارش کا گویا لب لباب ہے۔ لفظیاتی وفور جوشؔ کے طرز تحریر کی گویا ایک مستقل شناخت ہے۔ جوشؔ کے طرز تحریر اور اسلوب نگارش میں پہاڑی ندیوں کی سی رفتار وگفتار، کوہستانی ندیوں کا سا جوش وخروش، آبشاروں اور جھرنوں کا سا شور وغوغا پایا جاتا ہے۔ جوشؔ کا طرزِ بیان ایک ایسا طرز بیان ہے جو کبھی نرم رفتار اور کم گفتار نظر نہیں آتا۔ یہ ایک ایسا تلاطم ہے جو مسلسل حشر خیز اور مستقل قیامت انگیز دکھائی دیتا ہے۔ کوئی بھی موضوع ہو ذاتی یا صفاتی، عمرانی ہو یا رومانی، سیاسیاتی ہو یا معاشرتی، جگ بیتی سے استوار ہو یا آپ بیتی سے متصل، طنز ہو یا تعریف، بلند ہو یا پست ہر جگہ ان کا اسلوب یکساں طور پر جوش وخروش، وفور ونشور، طوفان وتلاطم، شور وغوغا، بارانی وفراوانی سے مملو نظر آتا ہے۔ ان کے منظومات کی لفظیات کثرت ولبریزیت کی معرکتہ الآرا اور مہتم بالشان مثالیں ہیں۔ ان کے ہاں مد ہے جزر نہیں، بم ہے زیر نہیں، صرصر وسموم تو ہے مگر نسیم وصبا کا کہیں وجود نہیں۔ ان کا لفظیاتی ارتقاء نرمی سے گرمی کی طرف، جمال سے جلال

کی طرف، خرام سے کہرام کی طرف اور خاموشی سے شوروشر کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ موج سے سیلاب کی طرف گامزن نظر آتے ہیں۔ اُن کا جھکاؤ سکون سے خروش کی طرف ہے۔ ان کا میلان اعتدال سے تجاوز کی جانب ہے۔ اُن کا رخ ہمیشہ شدّت و کثرت ہی کی سمت پایا جاتا ہے۔ کچھ بھی عنوان ہو کوئی بھی موضوع ہو کیسا بھی موقع ہو ان کی لفظیات کی روانی و فراوانی میں فرق نہیں آتا۔ ان کا لہجہ ہر جگہ جارحانہ و خطیبانہ ہی رہتا ہے۔ جوشؔ کی اس کثرت نوازی اور شدّت پسندی کے پس منظر میں ایک نہایت عمیق نفسیات کارفرما نظر آتا ہے۔ ان کے اسلوب کا غیر معمولی جوش و خروش، ان کے لہجہ کا عجیب و غریب طنطنہ و طمطراق، ان کی لفظیات کا حیرت انگیز وفور۔ ان کے اشعار و ادبیات کی تعجب خیز روانی و فراوانی بہانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ اس افغان آفریدی خانوادہ کے چشم و چراغ کے تصرّف میں ذخیرۂ الفاظ کے فلک بوس انبار موجود ہیں۔ باوجود اس کے کہ زمانے کے شدائد ان کو ان کی آبائی امارت کے ظاہری وسائل و فضائل سے بھی محروم کر چکے ہیں۔

جوشؔ اپنی قدرت کلام اور اپنے اعجاز بیان کو اپنی خودنمائی و خودبینی کا وسیلہ بناتے ہیں جو ان کے ذاتی جوہر ہیں اور دوسروں کو مرعوب و مبہوت بنا کر اپنی اس ایذا پسندی اور شدّت نوازی کی تسکین کرتے ہیں جس کے تذکرے ان کی خودنوشت میں جا بجا ملتے ہیں۔ ان کے لہجہ کی جارحیت اور انتہا پسندی ان کی جنسی توانائی اور جسمانی صلاحیت کا بالواسطہ اظہار بھی ہے۔ جس پر ان کے اٹھارہ کامیاب معاشقوں کی داستان گواہ ہے اور جو اُن کے قول کے مطابق ان کے آباو اجداد کی ایک عجیب و غریب خصوصیت رہ چکی ہے۔

جوشؔ کی زود گوئی کو بھی اُن کے لفظیاتی وفور میں بہت دخل ہے۔ وہ طبعتاً جذباتی اور لاابالی واقع ہوئے ہیں۔ جیسے ہی کوئی موضوع سامنے آتا ہے تو وہ اس کی فضائی بسیط میں ایک بے قید و بند بادِ صرصر کی طرح بہنے لگتے ہیں اور جس قدر برگ و باران کے ہاتھ لگتے ہیں سب کو اڑا لاتے ہیں۔ ان کی شعر گوئی ایک جذباتی ابال کی سی ہوتی ہے اور الفاظ لاوے کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں انہوں نے اپنی مشہور معرکۃ الآرا نظم ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب'' اپنے قول کے مطابق صرف دس منٹ میں تخلیق کی تھی۔ ظاہر ہے کہ زود گوئی ہی پُر گوئی کی صورت میں ظاہر ہونے لگتی ہے اور پھر یہی پُر گوئی ان کی لفظیات کی اس فراوانی کا سرچشمہ بن جاتی ہے جسے کم نظر لوگ لفاظی یعنی Verbosity سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لفاظی نہیں ہے بلکہ ''خورشید پسندی''

ہے، یعنی ہر چیز کو اس کی انتہا تک پہنچانا۔ جوشؔ کا میدان لفظیات ہے وہ اس میدان میں انتہا پسندی سے کام لیتے ہیں اور اس اسلوب کو "خورشید پسندی" سے تعبیر کرتے ہیں وہ خود کہتے ہیں۔

دل رسم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے
اسلوب سخن کا نیا نکالا ہم نے
ذرّات کو چھوڑ کر حریفوں کے لئے
خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے

جوشؔ کے یہاں لفظیات کی آرائش ونمائش، دارالادب لکھنؤ کی زبان دانی اورادب پرستی کا خوبصوت ترین عکس ہے۔ لکھنؤ کا ہر موقر خاندان ایک خانوادۂ ادب اور گہوارۂ شعروسخن کے القاب وآداب کا سرمایہ دار ہوا کرتا تھا چنانچہ شاعر معروف فقیر محمد خاں گویاؔ کے ادبی وارث جوشؔ نے بھی بقول کسے شعر کی فضا میں آنکھ کھولی اور شاعری کی گود میں پروان چڑھے اور نو سال کی عمر سے شعر گوئی اختیار کی۔ اس پر فارسی وعربی کی کامل دستگاہ اور اس زمانے کے سینئر کیمبرج کی تعلیم کے وسیلے سے انگریزی ادب پر خاصی نظر، مختلف اساتذۂ فن سے اکتساب اور ترجے کے سلسلے سے حیدرآباد کی دنیائے ادب میں دس سال کا طویل قیام پھر جوشؔ کے مخصوص طرز کے شعرو ادب کی بناء پر ان کا قابل رشک غرورووقار ان سب عوامل نے مل کر جوشؔ میں لفظیات کے جلال و جمال کو اتنا رچا بسا دیا تھا کہ انہیں یقین ہو گیا کہ الفاظ کا دفو اور لہجہ کا جوش وخروش ہی تنہا وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بول سکتا ہے۔

حیدرآباد سے واپسی پر جوشؔ نے ماہنامہ "کلیم" کا اجراء کیا اور جلد ہی اس کے صفحات کو محاربۂ نظم وغزل کا میدان بنا دیا۔ جوشؔ نے نہ صرف غزل کی تنقیص وتنقید کی بلکہ اپنی منظومات اور اپنے سحر واعجاز کے ذریعہ اپنے کلام کو رعنائیت وغنائیت اور رومانیت ومحبوبیت کا پیکر بنا کر اُن کو غزل کا متبادل بنانے کی کوشش کی۔ جوشؔ نے غزل اور غزل کے شاعروں سے اس شہرت ومقبولیت اور اس فوقیت وبرتریت کو چھین لینے میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی تھی جو گویا غزل اور غزل کے فنکاروں کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ اس غیر معمولی عروج کو جوشؔ نے اپنی لفظیات کے طنطنہ و طمطراق، اس کی وسعت وعظمت کے ذریعہ سے ہی حاصل کیا اور لفظیات کے وفور ونشور کو اپنے اسلوب میں ہمیشہ کے لئے ایک مرکزیت واہمیت کا مقام دے دیا۔ جوشؔ جس مشاعرے میں

ہوتے تھے وہاں چند مستثنیات کو چھوڑ کر اچھے اچھے غزل گو ان سے مرعوب اور خوف زدہ رہا کرتے تھے۔ جوشؔ کی نظم کس طرح غزل کا متبادل ہو سکتی ہے اس کی مثال ملاحظہ کیجئے اور لطف لیجئے۔

حسن کا سراپا غزل کے محبوب ترین موضوعات میں سے ایک اہم ترین موضوع ہے۔ جوشؔ نے اپنی نظم ''جنگل کی شہزادی'' میں جو حسن کا سراپا کھینچا ہے اس کے بعد کسی غزل کے شاعر کے لئے مزید لفظیات کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی جن کی بنا پر غزل کا شاعر محبوب کا سراپا سامعین کے سامنے پیش کر کے داد حاصل کر سکے۔ جوشؔ لکھتے ہیں۔

زاہد فریب، گل رُخ، کافر، دراز مژگاں — سیمیں بدن، پری رُخ، نوخیز، حشر ساماں
خوش چشم، خوبصورت، خوش وضع، ماہ پیکر — نازک بدن، شکرلب، شیریں ادا، فسوں گر
کافر ادا، شگفتہ، گل پیرہن، سمن بو، — سرو چمن، سہی قد، رنگیں جمال، خوش رو
گیسو کمند، مہوش، کافور فام، قاتل! — نظارہ سوز، دلکش، سرمست، شمع محفل
ابرو ہلال، مے گوں، جاں بخش، روح پرور — نسریں بدن، پریرخ، سیمیں عذار، دلبر
آہو نگاہ، نورس، گلگوں، بہشت سیما — یاقوت لب، صدف گوں، شیریں بلند، بالا
غارت گرِ تحمل، دلسوز، دشمنِ جاں، — پروردۂ مناظر، دوشیزۂ بیاباں

جوشؔ کی قادر الکلامی اور پُر گوئی اور دوسروں کے لئے اس میدان میں کوئی گنجائش نہ چھوڑنے کی جارحیت صرف رومانیات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جوشؔ کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ جس موضوع پر قلم اُٹھایا جائے اُس پر ''حرف آخر'' کہہ دیا جائے اور اس موضوع کے ماتحت جس قدر فرہنگ ولغات میسر آ سکتے ہیں، سب کو اتنی وافر مقدار میں اپنے زیر نگیں کر لیا جائے کہ کسی دوسرے کو اس موضوع سے متعلق کسی مزید فرہنگ ولغات پر دسترس ہی نہ ہو سکے۔ اپنی جادو بیانی کی بناء پر وہ خود کو نہ صرف منجملہ اہل کمال بلکہ اپنے ہمعصروں میں یکتا و یگانہ گردانتے ہیں۔ اپنے بارے میں انکا مصرع ہے

صدرِ معنی، داورِ الفاظ، امیرِ شاعراں

ان تین خطابات میں سب سے چسپاں خطاب ''داورِ الفاظ'' کا ہے۔ جس پر ان کو بجا طور پر فخر ہے۔ جوشؔ کو الفاظ کی روانی و فراوانی پر اس درجہ تصرف حاصل ہے کہ وہ جس موضوع پر

قلم اُٹھاتے ہیں اس پر لفظیات کی حد تک ''حرفِ آخر'' کہہ دیتے ہیں۔ کسی ایک موضوع سے متعلق جتنا فرہنگ موجود ہے اس میں سے بہت کچھ کو یکجا جمع کر کے پیش کر دینا جوشؔ کے لئے ایک سہل بات ہے۔ آزادیٔ وطن کی صبح کا استقبال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فلک پہ اوجِ کہکشاں زمیں پہ موجِ گنگ ہے
تنِ عروسِ ہند پر عبائے شوخ و تنگ ہے
فسونِ عود و چنگ ہے جنونِ آب و رنگ ہے
ترانہ ہے ترنگ ہے ابھار ہے اُمنگ ہے
ہزار ہے، چنار ہے، ملہار ہے، ستار ہے
بڑھو کہ رقص و رنگ ہے اٹھو کہ نو بہار ہے

آزادیٔ وطن سے بیجا فائدہ اٹھانے والوں کی ناجائز ترقی اور بے بس وبیکس عوام کی کسمپرسی کا انتقاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں

یہ مفلسوں کی گمرہی، یہ منعموں کی رہزنی فراز کے یہ قہقہے نشیب کی یہ جانکنی
یہ بے دلی یہ بے رخی، یہ برہمی، یہ بدظنی رمیدگی و شعلگی، کشیدگی و دشمنی
غبارِ حرب و ضرب ہے، خروشِ گیرودار ہے
خزاں کہیں گے پھر کسے اگر یہی بہار ہے

ترقی پسند ادب کے ہیرو یعنی ''کسان'' پر قلم اُٹھایا ہے تو تمام دنیا کے ادبیات مل کر کسان کے کارناموں پر جتنا کچھ علٰیحدہ علٰیحدہ طور پر کہہ سکتے ہیں اس سب کو اپنی لفظیات میں سمو کر رکھ دیا ہے اور ایسی لفظیات کا استعمال کیا ہے۔ جس کا حرف حرف ان ناقدین سے استہزار کرتا ہے جو کبھی جوشؔ کو ''بورژدا'' جیسے نعروں سے نوازتے تھے اور جن کے دامن لفظیات میں چند مستعار سُرخ پتھروں کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ کاشتکار کا پیکر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ سماں اور اک قوی انسان یعنی کاشتکار ارتقاء کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار
طفلِ باراں، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستاں ماہرِ آئینِ قدرت، ناظمِ بزمِ جہاں!
ناظرِ گل، پاسبانِ رنگ و بو گلشن پناہ ناز پرور لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ
وارثِ اسرارِ فطرت، فاتحِ امید و بیم محرمِ آثار باراں واقفِ طبعِ نسیم

صبح کا فرزند، خورشید زر افشاں کا علَم　　محنت پیہم کا پیاں، سخت کوشی کی قسم
جلوۂ قدرت کا شاہد حسن فطرت کا گواہ　　ماہ کا دل، مہر عالمتاب کا نورِ نگاہ

''جمال وجلال'' میں ان متضاد چیزوں کا شمار کراتے ہیں جو جوشؔ جیسے شاعر کے دل میں بیک وقت موجود رہا کرتی ہیں۔

دل میں نہاں ہے دہر کی ہر سرد و گرم شئے
تریاق و زہر و زمزم و زہر اب و قند و مے

''لافانی حروف'' میں لفظیات کے انتخاب ہی سے تمام دنیا کے اصناف ادب اور ان کے موضوعات کا مکمل احاطہ کرلیا ہے۔

لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں انگلیاں　　ذہنِ خالق کی حکایت زندگی کی داستاں
عارضِ قرطاس کو نوکِ قسلم سے چومتی　　دوڑتی، مڑتی، ٹھٹکتی، گنگناتی، جھومتی!
لکھ رہی ہیں گیت، فریادیں، ترانے، چہچہے　　ہچکیاں، سرگوشیاں، آنسو، دعائیں قہقہے

''ذاکر سے خطاب'' میں مسدس کے پانچ بند امام عالی مقام کی منقبت کی نذر کردیتے ہیں اور صناعت وبلاغت کے دریا بہادیتے ہیں۔ ''حسین اور انقلاب'' میں انسان کے حزن وآلام کے سرچشموں کا محاسبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یارانِ سرفروش و نگارانِ مہ جبیں　　آبِ نشاط و لعل لب و زلفِ عنبریں
کوئے مغان و بوئے گل و روئے دلنشیں　　زور و زن و ذکاوت و ذہن و زر و زمیں

جو شئے بھی ہے وہ درد کا پہلو لئے ہوئے
ہر گوہر نشاط ہے آنسو لئے ہوئے

لفظیات کے ذخائر پر تصرّف کرتے وقت ان کی تہذیب وترتیب بھی جوشؔ کے زیرغور رہتی ہے اس سلسلے میں وہ صوتیاتی تکرار Alliteration کے کمالات خوب دکھاتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرعے ملاحظہ ہوں۔

تم ہو صفدر، سورما، ساونت، سرکش، سرفروش

نابلد، نادان، ناواقف، ندیدہ، نامراد

''ماتم آزادی'' میں پورا ایک بند اسی طرز کا ہے۔

سرو سہی نہ ساز نہ سنبل نہ سبزہ زار
بلبل نہ باغباں نہ بہاراں نہ برگ و بار
جیحوں نہ جامِ جم نہ جوانی نہ جوئے بار
گلشن نہ گلبدن نہ گلابی نہ گلعذار

جوشؔ کی متعدد طویل نظمیں الفاظ کے شمار و قطار اور حروف کی صوتیاتی تکرار کے اوصاف سے لبریز ہیں جن کا لطف نظموں کو بہ نظر غائر دیکھنے پر ہی لیا جا سکتا ہے۔

جوشؔ اکثر اپنی منظومات و انتخابات کے آغاز پر ''یا قوت و حیات'' کے الفاظ لکھ دیا کرتے تھے یہ الفاظ گویا ''بسم اللہ'' کی طرح ان کے ذہن میں آتے تھے اور یہ الفاظ ان کے نظریۂ زندگی کی غمازی کرتے ہیں۔ جوشؔ ''قوت و حیات'' کے پرستار ہیں اور جوشؔ کے اسلوب کا جوش و خروش اور ان کی لفظیات کی روانی و فراوانی ان کے اس نظریۂ زندگی کی غمازی کرتے ہیں۔ جوشؔ ''قوت و حیات'' کے پرستار ہیں اور جوشؔ کے اسلوب کا جوش و خروش اور ان کی لفظیات کی روانی و فراوانی ان کے اس نظریۂ قوت و حیات کے اثبات و اظہار کا گویا اک بالواسطہ انداز ہے۔ جوشؔ کے الفاظ جامد و ساکت نہیں بلکہ متحرک اور مائل بہ رقص و رم نظر آتے ہیں۔ اُن میں زندگی ہے، نمو ہے، جنبش ہے، ارتعاش ہے، شعور اور وفور ہے۔ لفظیاتی و لسانیاتی لحاظ سے جوشؔ یقیناً اس دور کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ جو شخص اس دور میں مستند الفاظ کے مستحسن استعمال کا درس لینا چاہے اسے لازم ہے کہ اپنے شب و روز جوشؔ کے کلام کی افہام و تفہیم کے لئے وقف کر ڈالے۔

(مجلّۂ اُردو اکادمی، لکھنؤ)

☆☆

جوش کی لفظیات میں مصوّرانہ امکانات

جوشؔ کی کائنات تصورات اور محسوسات کی کائنات ہے۔ جوشؔ کی دنیا مظاہر و مناظر کی دنیا ہے۔ جوشؔ اپنے گرد و پیش کو مطالعہ و مشاہدہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں حسن فطرت اور مناظر قدرت کی تصویروں سے مالا مال رہتی ہیں۔ ان کی نگاہیں حسن و خوبی کا نگارخانہ ہیں۔ ان کی نظریں رنگ و نور کی شراب سے مخمور رہتی ہیں۔ ان کا لمس جسموں کے گداز سے متلذذ معلوم ہوتا ہے اور ان کا مشام پیراہن مشک نواز کی خوشبو سے معطر نظر آتا ہے۔ الغرض جوشؔ کی دنیا گوش وہوش اور بینائی و شناسائی کی دنیا ہے۔ جس کے سبب سے ان کی لفظیات میں مصورانہ امکانات روشن سے روشن تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ جوشؔ کا معیار لفظیات یہاں پر مشرقی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی اصولوں کی آسودگی پر بھی مستعد نظر آتا ہے۔ تنقید کے قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید فلسفوں کو سامنے رکھ لیجئے۔ جوشؔ کی لفظیات میں جو سونا ہے وہ ہر کسوٹی پر کھرا اترتا نظر آئے گا۔

جوشؔ کا ذہن ایک جمالیاتی ذہن ہے۔ ان کا حسن سماعت ہر آواز کے جادو کی کشید کر لیتا ہے۔ ان کا ذائقہ ہر لذت سے لطف کام و دہن نچوڑ لیتا ہے ان کا لمس ہر شیشہ و تیشہ سے بے تکلف شناسائی کے لئے تیار رہتا ہے۔ ان کا مشام ہر خوشبو کی نکہت سے معنبر و معطر ہو اٹھتا ہے اور ان کا اندازِ نظر ہر حسین و جمیل شئے کی تصویر اتار لینے پر آمادہ رہتا ہے۔

جوشؔ کے جمالیاتی ذہن کے نتیجے میں ان کی شاعری فن مصوری سے جگہ جگہ دوستی اور شناسائی کا رشتہ جوڑ لیتی ہے۔ یہاں پر جوش مشہور یونانی فلاسفر ارسطو کے فلسفۂ نقل و عکس (Mimesis) کے تمام معیاری تقاضے پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے مقامات پر ان کی شاعری

مصوری اور تصویر کشی کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اور وہ مناظر و مظاہر (Ikons) کی فہرست کی بوچھار شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً ''کسان'' کے زیرِ عنوان شام کی منظر کشی کرتے ہوئے وہ کہتے چلے جاتے ہیں

کھیتیاں، میدان، خاموشی، غروبِ آفتاب
چرخ پر بادل، زمیں پر تتلیاں، سر پر طیور

''جادو کی سرزمین'' میں لکھتے ہیں۔

غروب[1]، سلسلہ[2] کوہسار، ویرانہ[3]

''تو اگر واپس نہ آتی' کے زیرِ عنوان مناظر کا سلسلہ ملاحظہ ہو۔

اف وہ طوفاں وہ بھیانک تیرگی وہ ابر و باد
وہ ہوائے تیز یاراں وہ خروش برق و رعد

برسات کی چاندنی کا موضوع دیکھئے۔

چاندنی تالاب — سناٹا پپیہے کی صدا
دشت کی خوشبو فضا کی تازگی ٹھنڈی ہوا

برسات کی ایک شام دیکھئے:

شفق، ہلال، ندی، رنگ، ابر، سبزہ، ہوا

ان مثالوں میں اور ان جیسی ان گنت دوسری مثالوں میں جوش نے ایک ایک لفظ سے ایک ایک تصویر کا کام لیا ہے اور ان سادہ وغیر مرکب الفاظ کے سلسلوں کے نتیجے میں جوش نے ایک ایک مصرعے میں کثیر و متعدد تصاویر سمو کر رکھ دی ہیں۔ یہاں پر جوش کی وفور الفاظ کی خصوصیت ایک نئے حُسن میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کی نظر میں وفور الفاظ کے استعمال کی ایک خاص افادیت ہے اور ان کے نزدیک اس قسم کے وفور الفاظ کا ایک خاص محل استعمال ہے جہاں ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

سیدھے سادے تقریباً منفرد اور غیر مرکب الفاظ کے ذریعہ تصویر کشی کرنے کا فن ان کی شہرۂ آفاق نظم ''گرمی اور دیہاتی بازار'' میں اپنے عروج پر پایا جاتا ہے۔

تند شعلے، سرخ ذرے، گرم جھونکے ......آفتاب

شور ہلچل، غلغلہ، ہیجان، لو، گرمی بخار —
بیل، گھوڑے، بکریاں بھیڑیں قطار اندر قطار

مکھیوں کی بھنبھناہٹ، گڑ کی بو، مرچوں کی دھانس
خربزے، آلو، کھلی، گیہوں، کدو، تربوز، گھاس

یہاں اس فرق کو نمایاں کر دینا مناسب ہوگا کہ محض چیزوں کی فہرست بن جانے سے الفاظ میں مصورانہ خوبیاں پیدا نہیں ہو جائیں بلکہ یہ نظم کا سیاق وسباق ہے جو چند الفاظ کو ایک جگہ تو تصویر پارے بنا دیتا ہے اور دوسری جگہ تصویر کشی سے اس قسم کے الفاظ کا کوئی رشتہ ہی نہیں رہتا کیونکہ اب شاعر کا ارادہ تصویر کشی کے علاوہ کچھ اور ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو

چاندنی، دریا، شگوفے، راگنی بربط، شراب
پھٹ پڑی تھیں بزم پر رنگینیاں کل رات کو

مندرجہ بالا مثال میں شاعر رنگینیوں کی فہرست پیش کر رہا ہے، تصویر کشی اس کا مقصد ہرگز نہیں۔ اس لئے چاندنی دریا، شگوفے یہاں پر تصویر پارے نہیں بلکہ اس فضا کو مجسم اور مصور لہجے میں پیش کرتے ہیں جو محبوب کی محفل میں کل رات کو شاعر کے پیش نظر تھا چونکہ تصویر کشی یہاں پر شاعر کا مقصد نہیں ہے۔ اس لئے یہاں پر کچھ ملی جلی لفظیات سے کام لیا جاتا رہا ہے جن میں کوئی حقیقی یا منطقی تسلسل نہیں۔ چاندنی، دریا شگوفے۔ حسن فطرت کی رنگینیوں کو پیش کرتے ہیں۔ راگنی بربط سے نغموں کی رنگینیاں مراد ہیں۔ شراب سے سرور ونشاط کی رنگینیوں کو پیش کرنا مقصود ہے۔

جوش کی لفظیات میں مصوری کی اس قدر صلاحیت ہے کہ وہ اس صلاحیت کے بل بوتے پر نازک سے نازک اور باریک سے باریک مشاہدہ، کو بلاکم وکاست الفاظ کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ مثلاً حوض میں بطوں کے تیرنے سے۔

کائی میں پڑتا چلا جاتا ہے خطِ رہ گذار

جیسے ہلکے ابر میں موہوم سا خطِ ہلال
ایک تیز موٹر.........

جس کے آگے روشنی ہے اور پیچھے گرد ہے

پھاڑتے ہیں جیسے میلا چیتھڑا — اڑتی ہے گرد

جیسے موٹر کی گریزاں روشنی سے راہ میں

نصف لمحے کے لئے ظلمت پہ چھا جاتا ہے نور

جس طرح رات کی خموشی میں

سائیکل کی اتار پر آواز

حاشیے پر روشنی ہے، وسط میں تاریکیاں

کھا رہا ہے پیچ وخم تاریک کہرے کا دھواں

تلملاتی مچھلیوں کی شوخیوں سے جس طرح

سطح پر تالاب کی، پڑتے ہیں حلقے بار بار

راہ میں جالے لگے تھے، پتیوں پر گرد تھی

گھانس پر دھوپ کی ماری ہوئی تتلی کا سکوت

کرۂ نار سے چیلیوں کی لرزتی آواز

منجمد سی بھاپ ہوتی ہے کنار جو ئبار

سیاہ مشین کا بھورا دھواں کھجوروں پر

مصوری کے بعد جوش کی مجسمہ سازی پر نظر جاتی ہے۔ جوش اک بڑے مصور تو ہیں ہی لیکن وہ ایک عظیم مجسمہ ساز بھی ہیں جوش جتنے بڑے بت شکن ہیں، اس سے زیادہ بڑے بت پرست بھی ہیں انسانی چہروں کی جتنی واقعی اور سچی تصویر جوش کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے اس کی نظیر نہ صرف اُردو بلکہ کسی بھی زبان کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں موجود نہیں ہے۔ جوش کے بارے میں یہ رائے مبالغہ آمیز ہو سکتی ہے لیکن یہ ایسا مبالغہ ہے جو حقیقت سے بے حد قریب ہے۔ غزل کے شاعروں مثنوی کے نقاشوں اور مرثیہ نگاروں کے فنکاروں نے سراپا نگاری کے فن کو آخری انتہا تک پہنچا دیا ہے لیکن جیسا کہا گیا ہے کہ اوپر کی سطح پر کچھ نہ کچھ گنجائش ضرور ہوتی ہے۔ (There is always room at the top) بمصداق اس قول کے جوش نے سراپا نگاری کی بلند ترین سطح پر اپنے لئے گنجائش پیدا کی۔ جوش کے ہاتھ کی کھنچی ہوئی انسانی تصویروں میں سراپا نگاری کی لفظیات اپنے امکان کے آخری عروج کو چھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر ان کی سراپا نگاری والی نظموں کو یکجا کر لیا جائے تو ان کے مطالعہ کے بعد ایسا محسوس ہوگا کہ وہ تمام کردار ایسے ہیں جن کی خوبصورتی و بدصورتی کو ہم بچشم خود ملاحظہ کر آئے ہیں اور جن کے رنج و غم کی یاد ہمارے احساس سے بھلائے نہیں بنتی۔ سراپا نگاری سے جوش کو اتنا زیادہ شغف ہے کہ چاہے موضوع سراپا نگاری نہ ہو لیکن اگر اثنائے نظم نگاری میں اس کا موقع آجاتا ہے تو ان کا قلم سراپا نگاری کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے بغیر باز نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان کی کلیات میں سراپا نگاری کے اقتباسات اور عنوانات ملتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جن میں سے چند در چند یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

کسان، مہاجن، مفلس، جامن والیاں، کہستانِ دکن کی عورتیں۔ گنگا کے گھاٹ پر، فتنۂ خانقاہ، جنگل کی شہزادی، سونی جنت، سرمایہ دار شہریار (موت کے بستر پر ایک دوشیزہ) شیب

وشاب وغیرہ وغیرہ۔

اپنی مصوری اور مجسمہ سازی کی بنا پر جوش کے یہاں روشنی اور آواز کی پرچھائیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ان کے یہاں ساکت اور متحرک (Still & Kinetic) دونوں قسم کی تصویروں کا ہجوم ہے جن میں ان کا حکائی پہلو ایک نئی سمت کا اضافہ کر دیتا ہے۔ آج کے ٹی وی اور ویڈیو کے دور میں جوش کا کلام ہر تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ اگر کبھی کوئی ٹی وی اسکرپٹ جوش پر مبنی کر کے لکھا جائے یا جوش کے کلام کے کسی حصہ کو پردۂ سیمیں پر پیش کیا جائے تو اس کے لئے جوش کے یہاں خود بخود پورا سینار یو اور پورا منظر نامہ موجود ہے فلم ساز کو باہر سے کچھ قرض لینے کی ضرورت نہیں۔
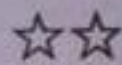
جوش کی باغیانہ شاعری کا لسانیاتی مطالعہ

جوش کو لفظوں کا جادوگر کہا گیا ہے اور جوش نے شاعر انقلاب کا خطاب بھی پایا ہے۔ کیا ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ ہے؟ آج کی گفتگو میں ہمیں ان دونوں حقیقتوں کے باہمی تعلق کے امکانات کو تلاش کرنا ہے۔ جوش دنیا کا ایک مشہور انقلابی شاعر ہے۔ اس لئے انقلابی ادب کے فلسفے اور جوش کی شاعری کے درمیان اگر یقین و عمل کے کچھ رشتے مشترک نکل آئیں تو کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی۔

دنیا کا کل ادب ایک اکائی ہے۔ اردو ادب جس کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ متعدد ملکوں اور مختلف تہذیبوں کے انواع و اقسام کے ادب مثلاً عشقیہ شاعری، مدحیہ شاعری، رزمیہ شاعری اور مرثیہ نگاری کے درمیان اکثر یقین و عمل کا اشتراک پایا جاتا ہے چنانچہ میر انیس کی رزمیہ شاعری اور فردوسی و ہومر کی رزم نگاری کے بیچ یقین و عمل کے بہت سے پہلو مشترک ہیں۔ اصناف ادب میں اس قسم کا اشتراک تاریخی اسباب و علل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً ناول نگاری، ڈرامہ اور افسانہ نگاری کے میدان میں انسانی نفسیات اور اس کے تقاضوں کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی مثالیں اس قدر عام ہیں کہ ان کا گنانا ناممکن بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔

جوش کی باغیانہ شاعری کا دوسری کسی زبان کی اسی قبیل کی شاعری سے متعلق فلسفۂ ادب سے جو علاقہ ہے اس میں اسباب و علل کا تعلق ہے یا نفسیات انسانی کے تقاضوں کے اثرات کا، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ جوش نے اپنی انقلابی نظموں کے الفاظ کے انتخاب میں بڑی دور رس تلاش اور بڑی فلسفیانہ سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے۔ اپنے اس مشاہدے کی توثیق میں ہم نے مثالوں کے لئے جوش کی ایک نہایت اہم اور معرکتہ الآرا نظم کا انتخاب کیا

ہے۔اس نظم کا عنوان ہے ''بغاوت''۔جوشؔ نے متعدد انقلابی نظمیں تصنیف کی ہیں۔ان سب نظموں کی نمایندگی بڑی حد تک جوش کی اِس بلند قامت تخلیق یعنی نظم ''بغاوت'' سے ہو جاتی ہے۔

اس نظم میں جوشؔ کا مقصد یہ ہے کہ فریق مخالف یعنی سرمایہ داروں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے کہ بغاوت ایک نہایت ڈراونی اور بھیانک حقیقت ہوتی ہے اور اب دنیا کے بھوکے عوام سرمایہ داروں کے خلاف یک زبردست علم بغاوت بلند کر دینے والے ہیں۔اس نظم کے الفاظ فلسفہ ادب کے ایک خاص اصول کے ماتحت انتخاب کئے گئے ہیں۔اس فلسفہ اور اصول کی نشاندہی ہم کو اٹھارویں صدی کے اوائل کے ایک برطانوی مصنف جان ڈینس کے یہاں ملتی ہے۔جان ڈینس (John Dennes) نے ۱۷۰۴ء میں شاعری سے متعلق تنقید کے مبادیات پر ایک مقالہ قلمبند کیا تھا جس کا عنوان تھا— ''The grounds of criticism in poetry'' اس مقالے میں ایک مقام پر جان ڈینس ایسے الفاظ کی فہرست مرتب کرتا ہے جو انسان میں خوف وہراس کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں نہایت موثر ثابت ہوتے ہیں۔اس کی ترتیب میں شامل الفاظ اس قبیل سے ہیں:

۱) مافوق الفطرت چیزوں کے نام: مثلاً دیو، جن، بھوت، پریت، دیوی، دیوتا اور روح وغیرہ۔

۲) آسمانی آفات مثلاً: زلزلے، آتش فشاں، آگ، وبائیں، جنگ، قحط، طوفان، بادوباراں، سیلاب اور جوار بھاٹا وغیرہ۔

۳) حیرت انگیز اور محیر العقول واقعات مثلاً معجزات، سحر، جادو، نظر بندی وغیرہ۔

۴) اچانک ششدر کر دینے والے واقعات مثلاً بادل کا گرجنا اور بجلی کا ترقنا

۵) خطرناک اور جان لیوا جانوروں کا ذکر مثلاً: شیر، چیتے، سانپ اژگر وغیرہ۔

اب اسے حسن اتفاق کہئے یا جوشؔ کی ذہانت، جوشؔ کی وسعت معلومات سے تعبیر کیجئے یا نفسیاتِ انسانی سے ان کی گہری واقفیت کہئے، جوشؔ نے اپنی نظم ''بغاوت'' کے لئے جس قسم کی لفظیات کا انتخاب کیا ہے اس کے سلسلہ میں یہ احساس ہوتا ہے کہ گویا اس کا تانا بانا جان ڈینس کی درج فہرست الفاظ ہی سے تیار ہوا ہے۔''بغاوت'' ایک خاصی طویل نظم ہے، ہم یہاں اس کا ایک مختصر انتخاب پیش کرتے ہیں۔جس سے یہ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس نظم میں جوشؔ کی لفظیات

نے ہراس قسم کے لفظ کو سمولیا ہے جو انسان میں ششدر و حیران ہو جانے اور دل میں خوف و ہراس اور دہشت و وحشت کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ جوشؔ کی نظم اس طرح ہے۔

ہاں بغاوت، آگ، بجلی، موت، آندھی میرا نام
میرے گرد و پیش اجل میرے جلو میں انتقام
ذکر ہوتا ہے مرا پرُ ہول پیکاروں کے ساتھ
ذہن میں آتی ہوں تلواروں کی جھنکاروں کے ساتھ
ایک چنگاری مری جنت کو کرتی ہے تباہ
مانگتا رہتا ہے میری آگ سے دوزخ پناہ
الامان و الحذر میری کڑک میرا جلال
خون، سفاکی، گرج، طوفان، بربادی، قتال
برچھیاں، بھالے، کمانیں، تیر، تلواریں، کٹار
بیرقیں، پرچم، علم، گھوڑے، پیادے، شہ سوار
میرے گرد و پیش کی ہنگامہ خیزی الاماں!
شور، غوغا، غلغلہ، فریاد، واویلا فغاں
پھر تو جاتا ہے جدھر میرا جنون تند خو،
پشت پر ہوتی ہیں لاشیں، ہڈیاں، ڈھانچے، لہو
اللہ اللہ میرے دہشت ناک خونی ولولے
آندھیاں، طوفاں، تلاطم، سیل، صرصر، زلزلے
ابتری، وحشت، تزلزل، طنطنہ دہشت، فساد
دبدبے، گرمی، کشاکش، دغدغے، ہلچل، جہاد

اس نظم میں جوشؔ نے ایک مہیب دیو مالا کی ایجاد سے کام لیا ہے۔ انہوں نے دکھلایا ہے کہ بغاوت ایک خون آشام دیوی ہے۔ بغاوت کی دیوی اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتی ہے۔

موت ہے خوراک میری، موت پر جیتی ہوں میں
سیر ہوکر گوشت کھاتی ہوں لہو پیتی ہوں میں

بغاوت کی خوفناک دیوی کے ارد گرد دہشتناک آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں یا سہمی ہوئی سرگوشیاں سنسناتی رہتی ہیں جس سے خوف وہراس کی فضا اور بھی دہشتناک ہوجاتی ہے چنانچہ بغاوت خود کہتی ہے

ہر قدم پر بھوت آوازیں سناتے ہیں مجھے
تیرہ دیواروں کے سائے تک ڈراتے ہیں مجھے
اُف در و دیوار میرے مدرسے کے الاماں
درس دیتی ہیں جہاں سہمی ہوئی سرگوشیاں

''بغاوت'' کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ فریقِ مخالف کو بغاوت کے دہشتناک پہلوؤں سے آگاہ کرایا جائے اس کے ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہے کہ برسر پیکار انقلابیوں کے دلوں میں الفاظ کی چنگاریوں سے آگ لگادی جائے۔اس موقع کے لئے جوشؔ نے جس قسم کی لفظیات کا انتخاب کیا ہے اس کا ہر لفظ دنیا کے بہترین انقلابی شعراء کے الفاظ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا ہے۔ان الفاظ میں جوشؔ نے رزم ورجز کے فرہنگ کو گویا کھنگال کر رکھ دیا ہے۔بغاوت اپنے خنجر آزماؤں کو خطاب کرتی ہے اور کہتی ہے۔

باندھتی ہوں شہریوں کے سر پہ یہ کہہ کر کفن
تم ہو اشجع، ناوک افگن، صف شکن شمشیر زن
تم ہو غازی، جنگجو، لشکر شکن، میر سپاہ
تم ہو رستم، مرد میداں، شیر دل عالم پناہ

جوشؔ کی باغیانہ شاعری۔

تم ہو سر لشکر، سپاہی برق پیما، سخت کوش
تم ہو صفدر، سورما، ساونت، سرکش، سرفروش

جوش کی اس نظم میں لفظوں کی بوچھار کا مقصد جذبات کے تسلسل کو قائم رکھنا اور ان کو تیز تر کرنا ہے چنانچہ خوف وہراس کے جذبات کی تعمیر کا وقت آتا ہے تو الفاظ کے ذریعہ دہشت و وحشت کی عمارت بلند سے بلند تر ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح جب جوش وخروش کے ڈھیر لگانے کا وقت آتا ہے تو لفظوں کے تسلسل کی مدد سے ہمت وجواں مردی کے جذبات کا ڈھیر دیکھتے دیکھتے آسمان کو چھونے لگتا ہے۔ جوش کے یہاں الفاظ کی بہتات کا جو مقصد ہے وہ ایسے موقعوں پر واضح ہوجاتا ہے اور ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ واقعی جوش کی لفظیات کا دامن بہت وسیع ہے اور اُن کے یہاں الفاظ کے اقسام وقبیل مضمون کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے چلے جاتے ہیں اور ان کے یہاں الفاظ کی بھرمار بھی بے معنی ہرگز نہیں ہے بلکہ موقع محل کے مطابق ادب کے نہایت اعلیٰ مقاصد اور بہت بلند تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔
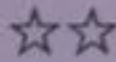
جوش کے پندنامہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ

جوش ملیح آبادی کا "پندنامہ" جس قدر اصلاح و بہبود کے ذوق سے مملو ہے اسی قدر ادبیاتی لطف اور لسانیاتی لذت کا امین بھی ہے۔ یہ نظم جوش نے اپنے ایک ہم پیالہ وہم شوالہ دوست، شاعر معروف اسرار الحق مجاز لکھنوی کو بلانوشی اور سیہ مستی کی شدت و کثرت سے باز رکھنے کے لئے تخلیق کی تھی۔ یہ نظم شراب نوشی کی زیادتی اور بے سلیقگی کے عِبَر ونصائح پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اس کا عنوان "پندنامہ" رکھا گیا ہے۔ اس شوخ وشنگ نظم کا شرارت آمیز عنوان "پندنامہ عطارؔ" کے ستودہ و سنجیدہ عنوان سے طنز و مزاح کی چشمکیں کرنے کا مجرم بھی نظر آتا ہے شراب کے عنوان پر جس قدر منظومات موجود ہیں ان میں جوش کے "پندنامہ" کو ہمیشہ ایک معتبر مقام حاصل رہے گا۔ جوش کو "شاعر خمریات" کے خطاب کا مستحق قرار دینے کے لئے تنہا یہ نظم کافی ہے۔ جوش نے پندنامہ کے علاوہ دیگر عنوانات کے ماتحت شراب کے موضوع پر جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سب کچھ جوش کے علاوہ کوئی اور بھی لکھ سکتا تھا، لیکن پندنامہ کا خالق جوش کے سوا کوئی دوسرا ہو سکتا ہو اس کا تصور بھی محال ہے۔ جوش کے فکر وفن کے متعدد عطار دو شریا اس نظم میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

"پندنامہ" کا لسانیاتی پہلو بہت دلچسپ ہے۔ شراب کی توصیف وتعریف اور شراب کو رحمت ونعمت ثابت کرنے کے لئے تو بیشتر شعراء نے لفظی رعنائیوں کی فلک بوس عمارتیں قائم کر دی ہیں جس میں جوش کی کوئی مخصوص انفرادیت نہیں۔ اگر یہ استفسار کیا جائے کہ ساقی نامے کی روایات میں جوش کا کوئی اپنا مقام ہے تو اس کا جواب جلی حروف میں لکھی ہوئی "نفی" میں ملے گا۔ جوش کے مشہور جرعات تخیل محض اور پرواز بے جواز کے سوا اور کچھ نہیں۔

"جرعات" اور ان کے مماثل جوش کی دوسری منظومات میں جوش لغات ونفسیات کے

سلسلے میں کوئی اعجاز نہ دکھلا سکے لیکن ''پند نامہ'' میں جوش نے شراب نوشی کے تاریک پہلو سے متعلق ایسے لغات وفرہنگ کو یکجا طور پر مرتب ومہیا کر دیا ہے جو اپنی وسعت وفراوانی اور اپنے نادر ونایاب ہونے میں یقیناً بے مثال ہیں۔ کثرتِ بادہ کی لعنت وحیوانیت اور وحشت ودیوانگی کو جوش نے ایسے مفرد اور تقریباً ایک تلفظی الفاظ میں پیش کیا ہے جن کی بست وکشاد اور تفسیر وتشریح کے لئے پورے پورے اوراق بھی کافی نہیں ہوسکتے۔ جوش کے یہ مفرد الفاظ بلانوشی اور سیہ مستی کی ایک ایک حالت اور ایک ایک کیفیت کو باریک تفریق اور امتیاز کے ساتھ جداگانہ طور پر پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ کثرتِ بادہ کی قابل نفریں عادت کو ایک لعنت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو خوفناک تصورات کا ہم شکل بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

عقل کی موت علم کی پستی
الاماں! لعنت سیہ مستی
اُت گھٹا ٹوپ نشہ کا طوفاں
بھوت، عفریت، دیو جن شیطاں

بادہ نوشوں کے شور شرابے کی تصویر کے لئے مجرّد ومکمل الفاظ سے کام لیا ہے۔

طنز، آوازہ، برہمی، افساد
طعن و تشنیع و مضحکہ، ایراد

خود فراموش سیہ مستوں کے نزاع وفساد کو اس طرح شمار کراتے ہیں۔

لپّا ڈگی، لتام، لام، لڑائی
ہول، ہیجان، ہانک، ہاتھا پائی

کسی بلاکش کے ذہنی انتشار کی کیفیات کو اس طرح گناتے ہیں۔

مسمساہٹ، غشی، تپش، چکّر
سوز، سیلاب، سنسنی، صرصر

ایک شعر کے ایک ایک مصرعے میں پانچ اور چھ الفاظ تک یکجا طور پر ملتے ہیں اور کسی کسی مصرع میں صوتیاتی تکرار کا کمال بھی دکھایا ہے۔

تہلکہ، تو تڑاق، تف، تکرار ہونک، ہنگامہ، ہمہمہ، ہلچل

ان الفاظ کی تکرار کو غیر ضروری یا فضول محض سمجھنا بڑی سطحیت کی بات ہوگی۔ یہ الفاظ محض چند مترادفات ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے معانی میں ایک دوسرے سے فرق وتفاوت بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً: ''لپاڈگی''، صرف گھونسوں اور تھپڑوں کی لڑائی کو کہتے ہیں۔ ''لتام'' میں صرف پیروں سے کام لیا جاتا ہے، کیونکہ لتام کے معنی ہیں: دولتی مارنا یا لاتیں مارنا۔ ''لام'' سے مراد: صف بندی یا اسلحہ بندی کی لڑائی ہے۔ اسی طرح ''ہانک'' بمعنی لن ترانی کرنا۔ اناپ شناپ بکنا، جبکہ ''ہونک'' بمعنی شیر کا بولنا یا دہاڑنا ہے۔ مضمون کی عمومیت اور موضوع کی پستی کے لحاظ سے جوش نے ایسے ہندی نژاد عامیانہ الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا ہے جن کے انتخاب پر بطور استعجاب کے خود لغات وفرہنگ جوش کا مونہہ تکتی رہ جاتی ہیں اور جو یہاں پر جوش کی زبان کو بہترین ہجونگاروں کی زبان کے دوش بدوش لا کر کھڑا کر دیتی ہیں۔

پندنامہ کی ایک مزید امتیازی خصوصیت اس کی متعدد اکائیاں ہیں جن میں سے ہر اکائی ایک مکمل نظم کا لطف رکھتی ہے۔ ان اکائیوں کی بناء پر ہم پندنامہ کو اس کے ضمنی موضوعات میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ہر موضوع کی احتیاج واحتیاط کے مطابق جوش کی لسانیاتی مطابقت کا لطف بھی لے سکتے ہیں۔ اس نظم کی ہر اکائی اپنے پلاٹ میں مدلّل ومکمل ہے اور ارسطو کے مکمل پلاٹ کے آغاز ودرمیان واختتام کے شرائط پر پوری اترتی ہے۔ پندنامہ تقریباً ایک سو دس اشعار پر مشتمل ہے گو کہ یہ کوئی زیادہ طویل نظم نہیں ہے تاہم یہ چند قابل تجزیہ اجزائے ترکیبی سے مرکب نظر آتی ہے۔ پندنامہ کے ضمنی عنوانات وموضوعات کو ذیل کی تقویم پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مجاز سے خطاب (۲) ادب میں مجاز کا بلند مقام اور مستقبل کو مجاز کی ضرورت (۳) مجاز کا قابل رحم سراپا اور اسے باوقار بنانے کی نصیحت (۴) شخصیت کی ناتوانی اور کم مائیگی کا انتقاد (۵) لعنت سیہ مستی (۶) مے نوشی میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے شعراء مثلاً اختر شیرانی اور جگر مرادآبادی کی مثالوں سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت (۷) سیہ مستی کا خوفناک دیومالائی (Mythological) تصوّر

(۸) مے نوشی کے لئے آداب واعتدال کی ضرورت (۹) تقسیم اوقات، رات کو دن پر ترجیح اور رات کے حسن وجمال کی تشریح (۱۰) شراب سے حاصل کی ہوئی شادمانی کی انفعالیت اور غم وشادمانی کا موازنہ (۱۱) گوہر شاہوار یعنی شاعرانہ پند ونصائح (۱۲) مے نوش

شاعر کا آئیڈیل یعنی پینا اور جینا اور اس سلسلے میں جوشؔ کی اپنی مثال (۱۳) زندگی میں فرائض کی ادائیگی کی اہمیت اور مجازؔ کے لئے زندگی کا قرض اتار سکنے اور ایک صحت مند طویل اور مفید حیات گزارنے کی دعاء پر نظم کا خاتمہ۔

جوشؔ کی نظم پند نامہ پڑھ کر ہمیں جوشؔ کی اس انصاف پرستی کی داد دینی پڑتی ہے جس کے ماتحت وہ خود ایک بادہ کش شاعر ہوتے ہوئے اپنے ایک عزیز دوست کو اس لعنت سیہ مستی سے باز رہنے کی نصیحت کرتا ہے اور جوشؔ کے اس خدشہ کی دلالت کا بھی احساس کرنا پڑتا ہے کہ جس سیہ مستی نے اخترؔ شیرانی کی شمع حیات کو صبح سے پہلے ہی بجھا دیا تھا، بلانوشی کے عفریت کا وہ ظالم ہاتھ مجازؔ لکھنوی پر اُٹھنے سے کیونکر باز رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایک دن وہ آیا جب مجازؔ لکھنوی کی زندگی بلانوشی کی نذر ہوگئی۔
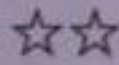
جوش کے دو دل:

جوش ملیح آبادی کے چند متضاد پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش

جھکتا ہوں کبھی ریگ رواں کی جانب
اڑتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں ایک تو مائل بہ زمیں
اور ایک کا رخ ہے آسماں کی جانب

جوش ملیح آبادی کی یہ رباعی ان کی متضاد شخصیت پر اچھی روشنی ڈالتی ہے۔ان کی شخصیت میں جو ایک طرح کا تضاد اور ایک طرح کا منطقی امر محال A kind of logical paradox ہے، اس پر انہوں نے اپنی مشہور نظم جلال و جمال میں بھی وافر روشنی فراہم کی ہے۔ جس کی رہنمائی میں ان کی متضاد شخصیت کو ان کی صلاحیتوں کے تقاضوں کے سیاق وسباق میں سمجھا جا سکتا ہے۔جس میں وہ خود کو ایک راستہ بدلتا رہنے والا دریا بتاتے ہیں۔

دریا ہوں اک مقام پہ بہتا نہیں ہوں میں
اک خط مستقیم پہ رہتا نہیں ہوں میں

یہاں آفتاب آمد دلیل آفتاب والی بات سامنے ہے کہ جب انہوں نے خود کو ایک راستہ بدلتا رہنے والا دریا کہہ دیا تو اب کسی دریا سے اس کے بہنے کے لئے کوئی دوسرا نقشہ بنا کر اس کو پابند کرنا میکانکی تو ہوسکتا ہے Mechanical جیسا کہ ہم آئے دن دریاؤں کو ایک دوسرے سے ملانے اور ان کے راستے تبدیل کرنے کے مصنوعی منصوبے دیکھتے رہتے ہیں لیکن یہ مطالبہ

نفسیات انسانی کے لئے ناممکنات میں سے ہے جوش ملیح آبادی ایک دریا ہیں جو تضادات کے غیر مستقیم راستے پر پیہم مسافرت میں مصروف رہتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تضادات کے بحر بیکراں کو از خود یہ کہہ کر گویا ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے

"دل میں ہے رہزنی کا، کبھی رہبری کا رنگ"

جوش کے یہاں یہ تضادات ان کی شخصیت کی طرح ان کے اسلوب نگارش میں بھی مسلسل طور پر موجود پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ قول محال یعنی Linguistic Paradox کے سلسلہ کے شاعر اعظم نظر آنے لگتے ہیں، ان کے قول محال میں جہاں تہاں جو لفظیاتی کشاکش اور معانیاتی چشمک فقرہ بہ فقرہ ملتی چلی جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے دو دل ہیں اور اگر جوش ملیح آبادی کے دو دل نہ ہوتے تو اُردو زبان کو وہ تہہ بہ تہہ والی لفظیاتی لذت کیسے بہم پہنچ پاتی جو جوشؔ کے یہاں لفظیاتی تضادات کے باعث ہمیں نصیب ہوتی چلی جاتی ہے۔

جہاں تک محض لفظیاتی تضاد کا سوال ہے وہ مشرقی شاعری کا اک حسن ہے جو حقیقت و مجاز دونوں طرح کے مضامین کو محیط ہے اور اُردو شاعری کے علاوہ فارسی شاعری کا تو گویا یہ ایک طرۂ امتیاز بھی ہے جو ہندوستان سے لے کر عرب و عجم تک کی مسافت اقصیٰ تک پھیلا ہوا ہے۔ مثلاً درج ذیل کا ایک یہ شعر علامہ شبلی نعمانی کے فارسی اشعار سے ہے جو ملاحظۂ قارئین کے لئے حاضر خدمت کیا جا رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے درج ذیل شعر میں دو دل کا لفظ ہو بہو شکل میں پایا جاتا ہے۔

دو دل بودن دریں رہ، سخت ترعیب است سالک را
خجل ہستم زکفر من کہ دارد بوئے ایماں ہم

(علامہ شبلی نعمانی)

یعنی راہ عشق میں دوہراپن (دو دل) ایک معیوب ترین نقص ہے، میں اپنے اس کفر سے سخت شرمندہ ہوں کہ جس میں ابھی تک ایمان کی کچھ رمق باقی ہے۔

لیکن معرفت و مجاز کی شاعری میں جو حسنِ تضاد ملتا ہے وہ ان اشعار کے مصنفوں کے تضادات شخصیت کو نہیں بلکہ صرف ایک شاعرانہ روایت بہ شکل صنعت تضاد کو پیش کرتا ہے۔ اس

کے برخلاف جوش ملیح آبادی کے یہاں جو تضاد لفظیات ہے وہ ان کی متضاد شخصیت کا آئینہ دار ہے اور بس یہی اصطلاح یعنی آئینہ داری جوش ملیح آبادی کی تضاد شخصیت کو تضاد لفظیات تک لانے کا جواز ہو سکتی ہے کہتے ہیں کہ ادب زندگی کا آئینہ اور ادیب زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے اور آئینہ جو دیکھتا ہے وہی بیان کرتا ہے۔امتیازات اس کے میدان عمل سے خارج ہیں۔چنانچہ مرزا صائب کا مشہور شعر ہے

تمیز نیک و بدِ روز گار، کار تو نیست
چو چشم آئینہ در خوب و زشت حیراں باش

(دیوان صائب)

یعنی دنیا کے نیک و بد میں امتیاز کرنا آئینہ کا کام نہیں۔اگر تو آئینہ ہے تو صرف آنکھ بن اور زشت و خوب اور نیک و بد دونوں کی ساحرانہ موجودگی کو یہ تمام حیرانی منعکس کر۔

یہ شعر تو مقامات تصوف سے ہے لیکن یہاں پر ہمارے بھی بہت کام آرہا ہے۔جس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جوش ملیح آبادی کسی متضاد شخصیت کے مالک ہیں تو اس اپنی شخصیت کے تضاد کو من وعن پیش کرنا ان کی آئینہ دارانہ زمہ داری بنتی ہے۔

چنانچہ اپنے دودل ہونے کی اس حقیقت کو کہ
"دل میں ہے رہزنی کا کبھی رہبری کا رنگ"
کو ایک جگہ ذرا تفصیل سے یوں پیش کرتے ہیں۔

(نظم رہزنی یا رہبری)

سمجھ میں آئے گا اک عمر کے بعد — میں جو کچھ ہم نشیں سمجھا رہا ہوں
نہ جا ان کفر کی باتوں پہ میری — یہ حق کے گیت ہیں جو گا رہا ہوں
الجھتا ہوں زبوں عقلوں سے جتنا — خود اپنے سے سلجھتا جا رہا ہوں
بہ شکل رہزنی ہر قافلے کو — حقیقی راستہ بتلا رہا ہوں
بغاوت کی ہوا کے بازوؤں پر — وفا کی سمت اڑتا جا رہا ہوں
جسے یوں کھو رہا ہوں ہر قدم پر — اسی کو ہر نفس میں پا رہا ہوں

اُسی کے بُعد پر نازاں ہوں اتنا — اُسی کے قرب پر اترا رہا ہوں
اُسی کے رمز سے آگاہ ہوکر — اُسی کی بات کو جھٹلا رہا ہوں
اُسی کے نام کو تاریک کر کے — اُسی کی ذات کو چمکا رہا ہوں

اب تک کے مطالعے سے ہم نے یہ مان لیا کہ تاریخ غزل کے اوراق اور غزل نگاری کی روایات شاعروں کو تضاد نگاری اور قول محال کے سلسلہ میں ایک غیر مشروط اجازت نامہ Charter of liberty دے چکے ہیں، لیکن کیا نظام کائنات سے بھی کچھ اس کی توثیق وتصدیق ہوسکتی ہے تو اس سوال کا جواب بھی جوش ملیح آبادی کے یہاں بہ عنوان اشارۂ مشیت حاضر ہے، جس کے لحاظ سے شاعر کو مکمل اختیار ہے کہ وہ بہ یک وقت طاعت وبغاوت، تخریب وتعمیر، رہبری ورہزنی اور کافری وپیمبری پر نغمہ سرائی کر سکے اور اس اجمال کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

خدا گواہ کہ منشاء ہے یہ مشیت کا — کہ ہر نظام کے ہمراہ ابتری بھی رہے
موحدوں کو رہے اختیار بت شکنی — برہمنوں کے لئے اذن آزری بھی رہے
طلسم کوثر و تسنیم بھی نہ ہو باطل — شراب ناب کی موج فسوں گری بھی رہے
حدیث طاعت وآیات حق کے دوش بدوش — زمیں پہ کفر وبغاوت کی شاعری بھی رہے
فسوں طرازی وابلیل کے تقابل کو — سرشت حضرت انساں میں خودسری بھی رہے
مذاق بندگی و ذوق سجدہ کے باوصف — مزاج آدم خاکی میں داوری بھی رہے

غرضکہ حکم مشیت یہ ہے کہ دنیا میں
پیمبری بھی رہے اور کافری بھی رہے

آخری مصرعوں میں لفظ حکم بہ معنی حکمت ومصلحت استعمال ہوا ہے جس سے شاعر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اُس مشیت ایزدی جس نے نور ونار اور آدم وابلیس کو بہ مصلحت وحکمت تمام تخلیق کیا اس کا اصل منشاء ہی تخلیق تضادات سے ہے اور یہ تخلیق تضادات کی ہی رنگینی ونیرنگی ہے جس کے سبب گلدستہ عالم میں انواع واقسام کے رنگ وبو نظر آتے ہیں ورنہ دنیائے یک رنگ وبیرنگ میں سانس لینا تک دشوار ہوجاتا۔

نظم ''رہزنی یا رہبری'' کے بعد جوش ملیح آبادی کی اک دوسری نظم ''درس آدمیت''

میں جو قول محال Paradoxes ہیں وہ اتنی لذیذ و پر لطف ہیں کہ اگرچہ عقل سلیم ان کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے لیکن ان کی فقرہ در فقرہ باہمی کشش و کشمکش کاوش وطراوش، غنائیت وساحریت سامعین وقارئین کو سر دھننے پر مجبور کر دیتی ہیں ملاحظہ کریں:

عزیزو! یہ رند جواں بخش ہند — یہ مے خوار زاہد یہ درویش رند
یہ دنیا کا حق کیش باطل نواز — یہ خاور شکن، شاعر ذرہ ساز
یہ طاعت پرست و بغاوت پناہ — بہ فطرت سفید و بہ نامہ سیاہ
یہ تعمیر آمادہ تخریب کوش — یہ خلوت سرود و یہ جلوت فروش
یہ صورت گر نور و معمار نار — یہ سر حلقۂ اولیاء کبار
یہ دانائے راز خفی و جلی — گنہگار معصوم کافر ولی
گہے شادمان و گہے مضمحل — جہنم در آغوش و جنت بہ دل
یہ چشم و چراغ نگار نجات — بہ ایں ترک و تضحیک صوم و صلوٰۃ
بہ ہستی مکدر بہ مستی نقی — یہ اس دور کا فاسق متقی
یہ تاریک اعمال روشن ضمیر — سیہ کار قدسی قدح خوار پیر
یہ جھوٹی عدالت کا سچا گواہ — یہ سرتا قدم اک مقدس گناہ
خطاؤں کا خوگر سزاؤں سے دور — یہ قانون داں مجرم بے قصور
یہ دانا و عادل ظلوم و جہول — یہ بے دین مومن یہ منکر رسول
ندا دے رہا ہے تمہیں صبح و شام — عزیز و یہ رند علیہ السلام

(اقتباس)

اس متضاد لفظیاتی وفور کی ساحری اور جادوگری از خود شاعر کی پرگوئی، قادر الکلامی اور خود اعتمادی جیسے اوصاف کے نتیجہ میں اپنا لوہا منوا لیتی ہے۔

☆☆

جشن آدمیت میں جوش ملیح آبادی کا تاریخ ساز کردار

(آدم کا نزول ۔ درس آدمیت، نیا میلاد اور دین آدمیت آدمی دے اے خدا حب وطن اور مسلمان جیسی نظموں کے تناظر میں)

عظمت انسان اور جشن آدمیت کے میدان میں جوش ملیح آبادی کی یہ نا قابل فراموش خدمت یادگار رہے گی کہ وہ انسان کو انسان اور آدمی کو آدمی پکارنے کی رغبت دلاتے ہیں۔ وہ انسان کو تعصب و تنگ نظری اختلاف رنگ ونسل تقسیم قبائل۔ فرقہ واریت ادیان و مذاہب سے ابھرنے اور تنگنائے کفر و ایماں اور دیوار ہائے سبحہ و زنار سے باہر نکلنے کا پیغام دیتے ہیں وہ آدمی میں تمام وسعت آفاق اور تمام بیکرانی کائنات کو زیر نگیں کر رکھنے کی آمادگی پیدا کرتے ہیں وہ اخوت، محبت ایثار، رواداری، بھائی چارہ، اتحاد، اتفاق، یگانگت، یک جہتی اور امن وامان کے بے مثال نقیب اور آدمیت کی برگزیدگی اور عظمت و عزت کی لازوال آواز ہیں — ان کی نظم نیا میلاد ہمیں تاریخ تہذیب وثقافت کی اس نشاۃ ثانیہ کی یاد دلاتی ہے جسے ان مختلف ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے

۱- دوسری پیدائش — 1 Rebirth

۲- نشاۃ ثانیہ — 2 Renaissance

۳- علوم وفنون کی دریافت — 3 Revival of Learning

۴- روشن دماغی کا دور — 4 The Age of Enlightenment

ہمارا نظریۂ نقد و نظر چونکہ تقابل و تجزیہ پر منحصر ہے اس لئے آگے بڑھنے سے پہلے ہم

اُس نشاۃ ثانیہ یعنی Renaissance کے تناظر میں جانے کی کوشش کریں گے جس کی دھمک جوش ملیح آبادی کے کلام میں دور تک سنائی دیتی ہے۔اس کے لئے ہم دنیائے مغرب کی ایک خاتون کی درج ذیل کتاب سے تھوڑا بہت استفادہ کریں گے۔کتاب اور مصنفہ کا انگریزی حوالہ دیا جاتا ہے۔

Body and Mind in western thought by J.W. Reeues:

Penguins 1958

اس کتاب کی خاتون مصنف Joan Wynn Reeves نے دنیائے مغرب میں تاریخ نفسیات کے ارتقاء کا جائزہ لیا ہے اورنفسیات کے ارتقاء کے نقطۂ آغاز کونشاۃ ثانیہ Renaissance اورنشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں ایک نئی تحریک یعنی دین آدمیت Humanism سے جوڑا ہے یہ دونوں الفاظ یعنی نشاۃ ثانیہ ہمیں جوش ملیح آبادی کی نظم ''نیا میلاد'' اور'' دین آدمیت'' میں ملتے ہیں اور یہ تمام درج ذیل نظمیں جوش ملیح آبادی کے آدمی نامہ کا گویا لب لباب ہیں۔
نظموں کے نام اس طرح ہیں

(۱) آدمی دے اے خدا (۲) نیا میلاد (۳) آدم کا نزول
(۴) درس آدمیت (۵) حب وطن اور مسلمان (۶) دین آدمیت

اور گھوم پھر کر آدمی نامہ کے عنوان سے مختلف خیالات کے لباس میں جوش ملیح آبادی کے یہاں کہیں چھینٹوں کی طرح اور کہیں پورے چڑھے ہوئے دریا کی طرح ملتے جلتے جاتے ہیں۔

قبل مسیح زمانہ میں فلاسفہ، حکما، شعراء اور ادباء کی ایک تابناک کہکشاں تا حد نظر رخشاں اور درخشاں نظر آتی تھی۔مثلاً (نام اور سنین انگریزی میں درج ذیل ہیں)

Names	Times
Socrates	469-399 B.C
Plato	428-347 B.C
Aristotle	384-322 B.C
Aeschylus	525-456 B.C
Sophocles	496-406 B.C
E picurus	341-270 B.C

Euripides	485-460 B.C
Homer	700- B.C(The reet unknown)
Virgil	70-19 B.C

ان کے علاوہ اور بہت سے

ان تمام اہل فکرونظر اور صاحبان علم وادب کو صف اوّل یعنی Classic یا کلاسیکل Classical کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔ان میں سے بیشتر بعد کے لوگوں کے لئے نقش اوّل یا نمونے Model ثابت ہوئے۔

انہی کے بعد کا زمانہ وہ ہوا جو دو ناموں کے سبب اتنا ہی اہم اور اتنے ہی دوررس نتائج کا ماخذ ہے لیکن اِن دو ناموں کی قطعی تاریخیں دستیاب نہیں۔ یہ دو نام ہیں

فنون شعریات: 1. Horace = author of ars Poetica: The Art of Poetry

فنِ خطابت کا اصل راز: 2. Longinus = author of : On the Sublime

یہ آخری دو نام قبل مسیح یعنی B.C اور دورِ مسیح سے لے کر بعد تک یعنی A.D کے درمیان ایک پل Bridge کا کام کرتے ہیں۔

اس سے پہلا زمانہ Classical age کہلاتا تھا پھر فوری بعد کا زمانہ مشہور اطالوی حکمراں Augustus کے سنہری کارناموں کی بنا پر Augustan Age کہلایا اور یہ ادبیات کا دورِ زرّیں بھی کہلاتا ہے۔

اب جناب عیسیٰ مسیح کا زمانہ آیا تو تمام دنیاوی مصروفیات کو روحانیات اور رہبانیات کے مقابل کالعدم قرار دیا گیا اور صرف ترک دنیا اور نجات اخروی کے نقطۂ نظر تک کاروبار حیات سمٹ کررہ گیا اور یونانی Greek Secular Literature اور رومانی ادبیات Roman Secular Literature کے مطالعے خارج از نصاب کردیئے گئے۔ یہ زمانہ چرچ کے عروج Ascendancy of the Church اور غیر مذہبیاتی نظریۂ حیات Secularism کے زوال کا دور تسلیم کیا گیا۔

اب جنگ ہائے ہلال وصلیب میں قسطنطنیہ Constitinople جو عیسائی نظریۂ حیات سے رہبانیات وروحانایات کی تہذیب وثقافت کا مرکز تھا مسلمانوں کی حکمرانی کے زیر اثر

آ گیا اور قسطنطنیہ کے راہب اپنے ذخائر کتب لے کر یوروپ کی طرف فرار ہو گئے اور انہی کے ذریعہ کلاسیکی دور اور آگسٹن عہد کے مسودات ونوادرات اشاعت وطباعت کے ذریعہ فرانس، جرمنی اور بعد کے اثرات کے ذریعہ برطانوی ممالک تک پہنچ گئے۔

اب کیا تھا کہ دنیائے علم وادب میں ایک انقلاب رونما ہو گیا اور چاروں طرف یونان Greek اور رومن Roman ادبیات کی بازیافت سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ ان نوادرات علم وفن Sources of secular literature کی بازیافت کو ہی Revival of learning اور نسل انسان کی دوسری پیدائش Rebirth اور ایک قسم کی نشاۃ ثانیہ Renaissance کی اصطلاح سے یاد کیا گیا اور اس نئی دریافت اور اس نئی بازیافت کو نئی روشنی یا روشن نظری یا روشن دماغی کہہ کر پکارا گیا یعنی The Age of Enlightenment اور درمیانی زمانہ کی روحانیات اور رہبانیات Christian spiritualism کو دور تاریک اور زمانۂ ظلمات یعنی Dark Ages کا نام دے کر ہمیشہ کے لئے مسترد کر دیا گیا۔ ان تمام تحریکات سے جو جدید نظریۂ حیات سامنے آیا اسے دین آدمیت Humanism اور اس کے ماخذ ومخرج کو ذہن انسان کی نئی پیدائش Rebirth یا نیا میلاد کا نام دیا گیا۔

خدا سے دعا کی گئی کہ "آدمی دے آدمی دے اے خدا" اور نزول آدم کو نظام آفرینش کا سب سے بڑا واقعہ Phenomenon تسلیم کیا گیا اور درس آدمیت کو نصاب تعلیم کا سرچشمۂ اوّل قرار دیا گیا اور دین ومذہب پر زور دینے والوں مثلاً مسلمانوں کو اپنی مٹی یعنی مادر وطن سے محبت کے لئے حب وطن اور مسلمان جیسی منظومات کو روشنی میں لایا جانے لگا۔

ہم نے یہاں نشاۃ ثانیہ کے پورے سیاق وسباق کو جوش ملیح آبادی کی ان نظموں میں سمونے اور ان سے منسلک کرنے کی کوشش کی ہے جن کو ہم نے مجموعی طور پر آدمی نامہ کا عنوان محض برائے سہولت دیدیا ہے۔

اور جسے ہم جوش ملیح آبادی کے یہاں Humanism کے اس عنصر سے تعبیر کر سکتے ہیں جن معانی میں یہ اصطلاح اپنے اصلی مطالب ومراد میں لغوی واصطلاحی طور پر پائی جاتی ہے۔

جوش ملیح آبادی کے یہاں آدمیت اور آدمیت کی بالادستی کا تصور وہی ہے جو Humanism کے منشور میں پایا جاتا ہے جو 1324ء میں Padua مقام کے مشہور فلسفی

Marsiglio سے منسوب ہے اور بحوالہ کتاب مزکور صفحہ 66 پر دیکھا جا سکتا ہے جس کے انگریزی الفاظ اس کتاب میں درج ذیل ہیں۔

The study of this life must be allowed to progress without assumption about eternity

یعنی اس گوشت و پوست اور ارضیت والی دنیا کے مطالعہ کو رہبانیات وروحانیات والی دنیا کے خیال وخوف کے بغیر نشونما کا موقع ملنا چاہئے۔ یہ ہمارا مطالبہ ہے۔

اس فلسفۂ حیات نے دنیا کے لفظ کو دو حصّوں میں بانٹ دیا، پہلی رہبانیت وروحانیت کے ذریعہ نجات اخروی کی دنیا جس سے جوش ملیح آبادی کے یہاں فرار مادیت کی طرف رجحان اور روحانیت کی طرف سے بیزاری کے نشان ملتے ہیں اور دوسری جیتی جاگتی اس زمین پر ٹھوس مادیت والی دنیا سے جس کو رغبت قوائی باصرہ، لامسہ، ذائقہ، سامعہ اور شامہ کے ذریعہ چھوکر دیکھ کر سن کر چکھ کر اور سونگھ کر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہی جوش ملیح آبادی والی دنیا بھی ہے اور ان کے کلام کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اس کو پورے حواس خمسہ سے محسوس کر کے اس سے محظوظ ہوا جائے اب مرکز توجہ مادیت اور ٹھوس پن ٹھیرا اور اب جسم وجان تن بدن یعنی Body کی اہمیت نے دوسری والی دنیا other worldliness سے حکومت چھین کر پچھلی حکومت کو شبانہ روز والی عملی اور مادی انسانی زندگی یعنی The Empirical dailyness of this world کے سپرد کر دیا۔ یہی جوش والی آدمی نامہ کی دنیا بھی ہے۔ ہمارے آگے آنے والے الفاظ سے قارئین علی ہذا القیاس کے طور پر ہماری اصطلاحات کو از خود جوش ملیح آبادی پر محمول کرتے جائیں یہ ہماری درخواست ہے۔

جوش کی اس ارضیت والی انسانی دنیا میں تقلید نہیں، اجتہاد ہے اور فکر ونظر کی مکمل آزادی Freedom of Enquiry ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ Descartes کی تصور کردہ آزادی مطلق کا مطالبہ یعنی La Libre Arbiter بھی ہے اب تقدس واحترام کی اور قدامت وروایت کی جگہ ایک للکار یعنی Challenge to Authority نے لے لی ہے۔ اب Simon Martini جیسے مصوروں اور مجسمہ سازوں کی جیتی جاگتی مصوری اور متحرک مجسمہ سازی کا زمانہ ہے یعنی Tactile and kinetic art اگر اسی نظریہ سے جوش ملیح آبادی کی سراپا نگاری کا از سر نو مطالعہ کیا جائے تو لطف کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تمام رجحانات ہمیں جوش کے یہاں زمین

اورزمین کی مٹی سے نزدیک رہنے والی حسیناؤں کی مصوری Profile writing اوراُس سراپا نگاری میں یعنی वर्णा नकशिक میں بھی یہی نظریہ کام کرتا نظر آتا ہے۔

آدمیت Humanism والا نظریہ حیات اتنا وسیع و عریض ہے کہ اس کے اثرات ان کی فطریات اور منظریات Poetry of Nature and sceneric beauty اوران کے کھنچے ہوئے جسمیاتی خطوط Physical Contours اور احترامات ومقدسات کے ساتھ ان کی تضحیک واستہزا روغیرہ تک کومحیط معلوم ہوتے ہیں۔

جوش ملیح آبادی کا نظریہ آدمیت، باقی دنیا کے نظریہ الوھیت یعنی Metaphysics of the Divine کو(ان کے اپنے خیال میں) ہر بساط پر مات دیتا چلتا ہے اوروہ صرف آدمی اورانسان ہی کو قابل پرستش بتاتے چلے جاتے ہیں۔

ان کی زندگی کا رہنما اصول ''یاقوت وحیات''یعنی Power or pelf اور طاقت وکامرانی چاہے جس ذریعہ سے بھی حاصل ہوجیسا کہ Machiavilli نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف The prince میں پیش کیا ہے۔

جوش ملیح آبادی کے یہاں حیات علی الرغم ممات یعنی Vitality vs Mortality اور بقا علی الرغم فنا کا فلسفہ ایک پرُزوراور پرُ اثر انداز میں پایا جاتا ہے یعنی Survival against any rival تو گویا ان کا انداز حیات یہی ہے۔

جوش ملیح آبادی کی نظم نیا میلاد کا مطلع خود نیا اور پرانا کے درمیان ایک حدِ فاصل Watershed قائم کردیتا ہے۔

اب سے تقریباً پچھتر سال پہلے ہم نشیں
مبتلا تھی سخت تشویش و تذبذب میں زمیں

یعنی اب سے پچھتر 75 سال قبل کا زمانہ Dark Ages کا زمانہ تھا اوراس کے بعد آنے والا زمانہ Rebirth یا نیا میلاد کا زمانہ ہے اس کے بعد کے اشعار میں پھر ایک ایسا واقعہ ہے یعنی جنگ عظیم جس نے پچھلے سارے زمانوں کو بدل کررکھ دیا۔

جوش کی نظم میں تو دوسری جنگ عظیم کا ذکر ہے لیکن تاریخ ادبیات کی جو Series سیریز Penguin Books نے عہد بہ عہد کی تقسیم کے ساتھ نکالی ہے اس میں ادبیات کے دور جدید کو

پہلی جنگ عظیم یعنی 1914 سے ہی وابستہ کیا ہے۔

جوش ملیح آبادی نے بھی انسان جدید کے نئے میلاد کو دوسری جنگ عظیم سے منسلک کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جنگ کی حیوانیت درندگی کے آخری نقطۂ عروج پر ہے اس کے بعد بچی انسانیت کا آغاز ہونا تصوّر ارتقاء کا قدرتی اور منطقی نتیجہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

جنگ کی بھٹّی سے آنے ہی پہ ہے باد مراد
ارتقاء پائندہ باد و نوع انساں زندہ باد

آچکی ہے نقطۂ تکمیل پر حیوانیت
دیکھ پیدا ہو رہی ہے اک جدید انسانیت

پر تو تائید ہے اس پردۂ تردید میں
ایک صالح زندگی ہے معرض تولید میں

آرہا ہے تازہ وارث عالم ایجاد کا
جلد تر اعلان کردو ایک نئے میلاد کا

(نیا میلاد)

اس کے بعد نزول آدم کی عید سعید کا موقع ومحل آپہنچتا ہے۔

ذرہ ذرہ سے اٹھی اک تازہ موج زندگی
آسمانوں نے علم کھولے زمین نے سانس لی

سنسنائی سینہ، فولاد میں تیغ دو دم — پتھروں میں کسمنائے ناتراشیدہ صنم
سامنے آ آکے اشیاء نے بتائے اپنے نام — ہونکتے بھرے عناصر نے کیا جھک کر سلام

نو عروس دہر نے زلفوں کو برہم کردیا
چاند مجرے کو جھکا سورج نے سرم خم کردیا (آدم کا نزول)

آئیے اب ہم بھی جوش سے مرزا غالب کے لہجہ میں دریافت کریں۔

ہاں مہہ نوسنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کررہا ہے سلام

جواب میں ظہور آدم جدید کی عظیم المرتبتی کا موقع از خود آجاتا ہے تو اب آدمی اور آدمیت کے لئے جوش کی بلند بانگ لفظیات بھی ملاحظہ ہوں جو اسلوبیات جوش کا خاصہ ہیں۔

مجاز و حقیقت کا شاہ آدمی　　کلاہ سر مہر و ماہ آدمی
بہا بخش گنج گہر آدمی　　ضیا سنج شمس و قمر آدمی
در خلد و لعل یمن آدمی　　گل و برگ و سر و سمن آدمی
امین خزاں و بہار آدمی　　گلستاں کا پروردگار آدمی
تقاضائے عرش مبیں آدمی　　تمنائے فرش بریں آدمی
حسین و صبیح و صنم آدمی　　نگار حدوث و قِدم آدمی
زمیں آدمی آسماں آدمی　　الٰہِ زمان و مکاں آدمی

جوش کی نظر میں آدمی الٰہ زمان ومکاں ہے۔اس لئے عرشِ اعظم پر متمکن قوت سے تقاضا ہے کہ یہ سریر وسلطنت آدمی کے سپرد کر دی جائے۔شاید جوش کی یہ آدمیت مغرب کے Humanism سے بھی کہیں زیادہ پُرشکوہ اور پُروجاہت معلوم ہوتی ہے اور یہاں جوش کی آدمیت نے مغرب کے Materialism اور الحاد کو نہ جانے کتنا پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

یہیں سے جوش ملیح آبادی کے ایک دوسرے عنصر یعنی بغاوت کے نقطۂ آغاز کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔جو جوش کو سمجھنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے ضروری بھی ہے بغاوت بذات خود کیا ہے۔یہ تو ایک باغی انسان کا ہی دوسرا روپ یعنی Alter ego or the other self ہے۔چنانچہ وہ باغی انسان ہی ہے جو روز ازل خداوند عالم سے بحث ومباحثہ Argument کرتا ہے جو بالآخر بغاوت پر جا کر ختم ہوتا ہے۔بغاوت معنون نظم میں بغاوت اپنا تعارف دیتے ہوئے بڑی گونج گرج کے ساتھ وہی کہتی ہے جو Challenge to authority کے عنوان سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں اب خود بغاوت کے الفاظ ملاحظہ کریں۔

الاماں میرا جنوں پرور تمرّد الاماں
آسنادوں میں تجھے دو حرف میں یہ داستاں

جب ازل میں سجدۂ آدم کا اٹھا تھا سوال
ہاں اسی ہلچل کے موقع پر کہ تھا وقت جلال
خود خدائے برتر و قہار سے افلاک پر
کی تھی میں نے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
رعب سلطانی سے یہ چہرہ اتر سکتا نہیں
جو خدائی سے لڑے شاہی سے ڈر سکتا نہیں

جوشؔ نے ازل کے لفظ سے، آدمی یعنی انسان کی سرشت میں بغاوت کے عنصر کی موجودگی پر خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ انسان کی طبیعت اس کی سرشت، اس کے لاشعور اور تحت الشعور میں جو بغاوت کے عناصر نفسیاتی طور پر پاتے جاتے ہیں اس کی مزید توثیق و تصدیق ہمیں جرمنی کے ایک نفسیاتی فلاسفر Leopold von Ranke کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو اُس خاتون مصنف کی کتاب میں بھی درج ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہاں جرمن فلاسفر سے منسوب اس کے نقطۂ نظر کا انگریزی ترجمہ اور پھر اُردو ترجمہ بھی پیش کیا جارہا ہے۔

The spirit of vigorous resistance, having its
origin in the deepest springs of human nature

یعنی انسان میں جزبۂ بغاوت کی شدت، انسانی کی سرشت ونفسیات کی گہرائیوں میں روزِ اوّل سے ہی موجود پائی جاتی ہے"

(دیکھئے تاریخ نفسیات جس کا حوالہ شروع میں دیا جاچکا ہے)

یہی وہ ہشت پہلوئی انسان ہے جس کی طرف اپنی نظم درس آدمیت میں جوش ملیح آبادی نے تمام دنیا کو بہ ایں الفاظ راغب کیا ہے:

ندا دے رہا ہے تمہیں صبح و شام — عزیز یہ رند علیہ السلام
کہ آؤ سوئے منزل منزلت — پئے رونق دین انسانیت
مساوات انساں کی خاطر مرو — در آدمیت پہ سجدہ کرو
کوئی چیز انساں سے بالا نہیں — ہر اک شے گماں صرف انساں یقیں
نہ مندر سہانا نہ مسجد حسیں — در آدمیت ہے مہر مبیں

نہ ہندو نہ گبر و مسلماں بنو اگر آدمی ہو تو انساں بنو

نہ انساں بنو گے تو گل جاؤ گے

خود اپنے جہنم میں جل جاؤ گے

جوشؔ ملیح آبادی کا نظریہ آدمیت کیا ہے گویا ایک بحر ذخار ہے اور جوشؔ ملیح آبادی کی وہ تمام منظومات جنھیں آدمی نامہ کے تحت مرتب کیا جا سکتا ہے وہ سب جوشؔ فہمی میں دور تک رہنمائی کرتی ہیں۔ جوشؔ ملیح آبادی اپنے Humanism کے ذریعہ دنیا کی ارضیت اشیاء کی معروضیت، محسوسات کی وجودیت وموجودیت (موجودگی) جسمیات کے خدوخال، تن بدن کے حسن وجمال، خوبصورتی و وبدہیئتی (جھرّیاں) کے مجسمات، پیری وشباب دونوں طرح کے مصورات کو پیش کرنے والے سب سے بڑے فنکار ہیں، جن سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے مگر صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

اسی کے زیر اثر جوشؔ کے یہاں تعلّی خودستائی، خودنمائی مبالغہ سے تجاوز کر کے غلو کی اس حد تک پہنچ جاتی ہے جس کے لئے عربی مقولہ ہے کہ" احسنہ اکذبہ یعنی جتنی بڑی اختراع اتنی ہی بڑی شاعری۔

جوشؔ ملیح آبادی کی ٹھوس، حقیقت پسندانہ اور جارحانہ آزادی خیال کا رجحان داخل سے خارج کی طرف، باطن سے ظاہر کی طرف، خلوت سے جلوت کی طرف، شرمندگی وشرم ساری سے جرأت وجسارت کی طرف، غنودگی سے بیداری کی طرف، تقلید سے اجتہاد کی طرف، ظلمات سے روشنی کی طرف، بے بصارتی سے نظر افروز نظاروں کی طرف، مفروضوں سے مشاہدوں اور تجربوں کی طرف، عبادت وعبودیت سے بغاوت کی طرف، قانون سے لاقانونیت کی طرف اور مرگ وفنا سے نعرہ یاقوت وحیات کی طرف گامزن نظر آتا ہے۔

ان کا اقدام اجتناب سے انقلاب کی طرف متحرک پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مروجہ مذاہب اور متداول ادیان واذہان کی جگہ ایک نیا مذہب یعنی دین آدمیت کی داغ بیل ڈال دینا چاہتے ہیں۔ ان کا ایک ہی نعرہ ہے

ارتقاء پائندہ باد و نوع انساں زندہ باد

اور ان کی زبان پر ایک ہی مژدہ سناتی دیتا ہے

جلد تر اعلان کردو اک نئے میلاد کا

☆☆

جوش ملیح آبادی اپنے طنز وتضحیک کے آئینہ میں

اپنے ''مولوی نامے'' کے حوالے سے

جوش ملیح آبادی کو دو ہی مشغلوں سے شغف ہے یا تعریف وتوصیف وطنز وتضحیک یا قصیدہ سرائی یا ہجونگاری۔ ایک کی مثال ان کی مولویوں پر خشت باری دوسرے کی مثال ان کی سراپا نگاری۔ ان کے یہاں درمیان والا کوئی راستہ نہیں۔ وہ غیر جانب دار ہوکر دیکھ ہی نہیں سکتے میانہ روی ان کے خرام ناز سے خارج ہے ان کو دو ہی کام آتے ہیں یا ٹھوکر مارنا یا گلے لگانا وہ حسن وعشق اور شراب وشباب کے جنون کی حد تک شیدائی اور اسی شدومد کے ساتھ وہ تقدس واحترام رشدو ہدایت۔ پیری مریدی، سلوک وتصوف اور مذہبیت اور مولویت کی مسمار کے سودائی بھی ہیں۔

تعریف وتوصیف کی طرح تشنیع وتضحیک میں بھی ان کا دماغ عجب پرواز دکھاتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز کے انہدام پر اتر آئیں تو اپنی مخصوص لفظیات سے ایسی خشت باری کرتے نظر آتے ہیں کہ دیکھتے ہی بنتی ہے یہاں تک کہ خود ان کی تذلیل وتضحیک کے شکار کو بھی ان کی لفظیاتی برتری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور اس سلسلہ میں جوش کی جارحانہ وساحرانہ لفظیات ان کی حفاظت کی ضامن بن کر ان کے اردگرد ایک نا قابل تسخیر قلعہ کا کام انجام دیتی ہیں اور اس لئے ان کا شکار چاہنے پر بھی لفظ بلفظ ان کے طنز وتضحیک کا جواب فراہم نہیں کرسکتا اور یہ تمام لفظیاتی خصوصیات مفرد ومرکب الفاظ سے لے کر نا قابل تردید فقروں اور لاجواب عبارتوں اور جملوں تک پہنچ جاتی ہیں ان کی کسی بھی لفظیاتی جارحیت کے خوف وہراس کے سبب ان کے خلاف معاصرانہ عہد میں باقاعدہ تحریر وتقریر کے وسائل سے آج تک کوئی منظم تحریک ان کو ان کی شاعرانہ برتری کے تخت و

تاج سے معزول نہ کراپائی۔

جوش ملیح آبادی کے طنزو تشنیع اور تنقید و تضحیک والی لفظیاتی مثالوں کے لئے ان کے چند ایسا اشعار ومنظومات کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے جن کو ہم جوش ملیح آبادی کے ''مولوی نامہ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

خاص شیخ وشیوخ اور مولوی ومولانا حضرات پر ان کے رشحات قلم سے نکلی ہوئی نظموں پر آنے سے قبل ہم ان مصرعوں اور اشعار پر متوجہ ہوتے ہیں جو ہر طرف ترشح کی طرح ان کے کلام کے سیاق وسباق میں جا بجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مثلاً اگر ہمارے سامنے ان کے ادوار شاعری کے تقسیم جدید وقدیم سے صرف نظر کوئی بھی مجموعہ کلام سامنے آجائے تو علماء اور فضلاء پر ان کی تیر اندازی سے خالی نہیں جاتا اپنے مجموعہ کلام حرف وحکایت کی ایک نظم تصویر جمال میں کسی سراپائے جمال کے بالوں کی مدح سرائی فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

تاریک شبوں کا مجموعہ، بھونرے کی عبادت گہہ، جوڑا
پتلی تھی چشم آہو کی، یا قلب سیہ تھا زاہد کا

زاہد کے خلاف اپنی زہر افشانی کی شدت میں حضرت جوشؔ یہ بھول گئے کہ معشوق کی کسی بھی رعنائی کی تشبیہ کے لئے کسی دوسری حسین تمثیل سے ہی تقابل مستعار لیا جاتا ہے نہ کہ اس چیز سے جو کہ خود شاعر کی نظر میں قابل نفرین ولعنت ہے۔

ایک دوسری نظم ''دل کی دنیا'' میں امتیاز نور ونار جنت ودوزخ اور حق وباطل کو ایک زبردست حملہ آوار خدنگ لفظیات سے تعبیر فرماتے ہیں۔

نور جنت، نار دوزخ، خوف باطل، ذوق حق
ان یتیم افکار سے بیگانہ ہے جو سرزمیں

ایک نظم ''غلط بخشی'' میں ریاکاری کی تخلیق پر ایک بے واسطہ قسم کی خشت باری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ریاکاری کی بیخ کنی کیسے کی جائے آخر ریاکاری تو خود خالق کائنات کی پروردہ ہے نظم ''غلط بخشی'' میں پہلے چند اشعار شان خداوندی میں تحریر کرنے کے بعد خداوند کریم پر طنزو تشنیع کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں۔

مگر اے مربی اہل ریا، میں دیوانگی میں یہ کیا بک گیا

جبکہ دوسری نظم ''قلب ماہیت'' میں ایک صاحب کو مائل بہ وفا ہوتے دیکھ کر شک و شبہات کی سنگ باری کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیا پھونک دیا کان میں عفریت ریا نے
سلمائے وفا سے ہے جو اس درجہ تمرد

دراصل جیسا کہ ہم اس سے قبل بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ حضرت جوشؔ ہر اُس فرد اور ہر اس ادارہ کے دشمن جانی ہیں جس شخص جس ادارے اور جس شخصیت کے پاس غلط و صحیح میں امتیاز کرتے اور غلط پر غلط ہونے کا فتویٰ صادر کرنے کی اجارہ داری حاصل ہے۔

چنانچہ اپنی نظم ''تہذیب'' میں فرماتے ہیں۔

الاماں قانون و مذہب ، تیرے فرزندان زشت
جن سے بن جاتی ہے دوزخ بزم فطرت کی بہشت
آدمی تیری ندی میں ناؤ کھے سکتا نہیں
اپنی فطرت کے مطابق سانس لے سکتا نہیں
واہم پرور جزبۂ تقلید کی بانی ہے تو
دشمن آزادی افکار انسانی ہے تو

....

اے فنا انگیز دیوی دور سے تجھ کو سلام

اب ہم بھی حضرت جوشؔ کو اس خشت باری میں مشغول دیکھ کر انہیں دور سے سلام کرتے ہیں اور اگلے مضمون تک ان سے رخصت چاہتے ہیں۔

☆☆

جوش ملیح آبادی کی نظم ''مقامِ شیخ'' اور ''مولوی'' پر کچھ مزید روشنی

جوش نے اپنی نظم ''مقام شیخ'' میں کسی حضرت شیخ صاحب کی عبادت وریاضت، زاہدانہ افعال، عابدانہ اعمال اور متصوفانہ محنت وورزش پر نہایت ہی ملیح انداز میں مفصل روشنی ڈالی ہے یہ نظم جوش ملیح آبادی کے مخصوص شکست وریخت کے نظریہ کی ایک اچھی نمائندہ نظم ہے۔

جوش ملیح آبادی اپنے پرُلطف طنز وتضحیک کے لہجہ میں اعتراف کرتے ہیں۔

مقام شیخ کا قائل ہوں میں بھی — یہ پاپڑ تو بہت بیلے ہوئے ہیں
انہی پیر طریقت کی بدولت — ہمیشہ عرس کے میلے ہوئے ہیں
صلوٰۃ بے ریا کی وادیوں میں — ہزاروں سختیاں جھیلے ہوئے ہیں
بہ مشق کاروبار ضرب یا ہو — مہینوں سر سے ڈنڈ پیلے ہوئے ہیں
ہزاروں کو بنا ڈال ہے چیلا — ہزاروں بار خود چیلے ہوئے ہیں
خدا کو اور نہ پہچانیں یہ حضرت
خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں

نظم کی ہندی نژاد لفظیات قابل غور ہیں، پاپڑ بیلنا، لوگوں کی بھیڑ کو ایک طرف ریلنا، البیلے پن سے خود کو زینت دیئے رکھنا، مشق وریاضت کی مشقتیں جھیلنا، ضرب لا الٰہ میں سر سے ڈنڈ پیلنا اور خدائے بے ہمتا کے بارے میں ایسی قربت ونزدیکی سے گفتگو کرنا گویا۔

''خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں''

یہاں پر فارسی نژاد لفظیات کی بجائے، ہندی نژاد الفاظ سے ان کی یہ مراد از خود ظاہر ہے کہ مقام شیخ کوئی عظیم المرتبت مقام نہیں بلکہ نہایت پست وقبیح اور قابل طنز ومزاح مقام ہے اور اسی لئے پست لفظیات کا استعمال بھی کیا ہے۔

ولیم شیکسپیر W. Shakespear کے طربیہ ڈراموں سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ جب وہ ارضیت اور پستی سے متعلق کردار نگاری پر آتے ہیں تو نظم کی جگہ نثر اور ادبی وایمائی لفظیات کی بجائے موقع محل کے لحاظ سے پست، بازاری، سوقیانہ الفاظ پر اتر آتے ہیں۔اس سلسلہ میں جوشؔ کا انتخاب الفاظ قابل ذکر ہے۔

طنز ومزاح اور تذلیل وتضحیک کے موقع پر جوشؔ کی سراپا نگاری، خاکہ نگاری بلکہ خاکہ اڑانے پر اتر آتی ہے، جیسا کہ جوشؔ کی نظم ''مولوی'' اور '' مقام شیخ'' کی مثال سے ظاہر ہے۔عموماً مرد چہروں پر ان کی سراپا نگاری یکسر خاکہ نگاری میں تبدیل ہو جاتی ہے جو شدت تنفر کے سبب منفی نگاری کا لباس اختیار کر لیتی ہے۔

اس کی دوسری مثال جوشؔ کی نظم ''مولوی'' میں موجود ہے۔

نظم مولوی میں جناب مولوی صاحب کی شبیہ، ان کا لباس، عمامہ، دلق وقباء، پائجامہ، ریشِ سرخ ودراز، عباء وقبا سے آویزاں رنگین تسبیح، چوڑا سینہ، گردن کوتاہ، رومال چوخانہ، موٹا شکم، آنکھوں پر چشمہ، منہ میں پان کی گلوری، پیشانی پر ریاکارانہ سجدوں کا داغ، جسم وجثہ میں دیو پیکر۔

اس تصویر کا پورا لطف اس عنوان کی نظم کے مطالعہ وملاحظہ سے ہی ممکن ہے۔جوش ملیح آبادی کے طنز وتضحیک کے ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود کو فتویٰ وفیصلہ، ہدایت وارشاد کے منصب دار بلکہ ٹھیکیدار اور کسی قانون اور کسی شریعت کے زمہ دار کے طور پر پیش کر کے غیر معتبر اور غیر مستحق تقدیس واحترام کا اہل قرار دیتے ہیں۔

لیکن قانون ومذہب اور دین وشریعت کے دین داروں سے استہزا، مشرق ومغرب دونوں ہی کی ادبیات میں ملتا ہے۔قدیم انگریزی کے مشہور شاعر جیافری چاسر Geoffrey Chaucer کی مشہور کتاب داستان Canterbury Tales

اس قسم کی ملیح کردار نگاری سے معمور ہے۔جس کو ابد الآباد کے لئے ناول نگاری کے منظوم نقش اوّل سے تعبیر کیا گیا ہے۔جس میں ذیل کے پیشہ ورانہ مذہبی نمائندہ گان کے دلچسپ کردار

دیکھنے کو ملتے ہیں۔

1. The Friar
2. The Monk
3. The Pardoner
4. The Summoner

اب فارسی قدیم کی طرف آئے تو مشہور قصیدہ نگار اور ہجو شعار شاعر قاآنی کے یہاں ایک واعظ صاحب کی تصویر ملاحظہ ہو جن کو تذلیل وتضحیک کے طور پر قاآنی نے لفظ واعظ کے اسم تصغیر ''واعظک'' سے معنون کیا ہے۔ یہاں پر اس ہجو پر قاآنی کے چند اشعار اور ان کا ترجمہ قارئین کی ضیافت طبع اور تقابل وتجزیہ سے لطف لینے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

''دی واعظکے آمد در مسجد جامع
چوں برف ہمہ جامہ سپید از پے تا سر
چشمش بہ سوئے چپ و چشمش بہ سوئے راست
تا خود کے سلامے کند از منعم و مضطر
زانساں کہ خرامد بہ رسن مرد رسن باز
آہستہ خرامیدی و موزون و موقر
فارغ نہ شدہ خلق زتسلیم و تشہد
برجست چو بوزینہ وبہ نشست بہ منبر
وانگہ بہ سر و گردن و ریش و لب و بنی
بس عشوہ بیاوردہ سخن کرد چنیں سر''

(دیوان قاآنی، صفحہ ۳۲۲)

ترجمہ، تلخیص وتاثر

یعنی کل، جامع مسجد میں ایک واعظک (واعظ کے بچہ صاحب) وارد ہو گئے ان کا حال وقال اور چال ڈھال کا بیان حد امکان سے باہر ہے۔ جناب واعظک سر سے پاؤں تک ایک برف جیسے سفید و بے داغ لباس میں ملبوس تھے۔

حضرت دائیں اور بائیں دیکھتے چلے جاتے تھے تا کہ غریب وامیر سب کے سب ان کو آداب بجالائیں اور وہ ان کے سلاموں کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں۔ان کی چال سبحان اللہ کیا چال تھی گویا رسن آویزاں پر کرتب دکھانے والا نٹ۔رسن باز بھی شاید اتنی آہستگی، احتیاط وتوازن اور وقار کے ساتھ نہ چل پاتا ہو۔

ابھی جناب واعظک حاضرین جامع مسجد کے سلام وپیام سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ اچانک بندر کی طرح جست لگائی اور جامع مسجد کے منبر پر صدر نشین ہو گئے۔

اب اس کے بعد جو حضرت والا نے اپنے سر اور گردن اور داڑھی اور ہونٹ اور ناک کے عشوہ وادا والی جنبش کا منظر پیش کیا اور پھر جس خطبہ سے مجموعہ کے ساتھ مخاطبت فرمائی اس کی تصویر الفاظ میں پیش نہیں کی جاسکتی (اس کے بعد حضرت واعظک کا خطبہ) اگر اس تجزیہ وتقابل سے جوش ملیح آبادی کو مشرق ومغرب کی ادبیات کے بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو ان کے مزید کمالات پہلو در پہلو ہمارے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری طرف جوش ملیح آبادی کی قانون شکن طبیعت ان کی حدود وقیود سے برتری اور بے زاری اور قانون اور شریعت کے ٹھیکیداروں کے ساتھ ان کا استہزا اور روایاتی تقدیس وبزرگی اور قدیم سے چلی آرہی احترام کی روایت داری سے ان کے احتراز اور ان کی زنداں شکن شخصیت کا ایک ذائقہ بھی چکھنے کو ملتا ہے اور ساتھ ہی موقع ومحل اور مقصد ومراد کی تبدیلی کے ساتھ ان کی لفظیات کا بدلتا ہوا تانا باتا بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

جناب جوش کے اللہ رے عجب انداز
جھکائے ان کے حضور آسماں جبین نیاز

اس جگہ ہمیں جوش ملیح آبادی کے "مولوی" اور ولیم شکسپیر کے ایک لافانی کردار Malvolio کا حوالہ ساتھ ساتھ یاد آجاتا ہے۔ولیم شیکسپیر کی ایک مشہور طربیہ Comedy ہے جس کا نام Twelfth Night ہے اس میں ایک کردار Malvolio کے نام کا ہے جو ایک Puritan یعنی سخت گیر شخص ہے جو دوسرے آزاد منش کرداروں کو ان کی رنگ رلیوں رقص وسرود اور بدمستی و بسیار نوشی پر سخت انداز میں تنبیہ کرتا ہے جس پر ڈرامے میں شراب نوشی وسیہ مستی کا ترجمان کردار بنام Sir Toby جواب دیتا ہے۔

Dost thou think because thou art virtuous,

there shall be no more cakes and ale

یعنی تو یہ غلط سمجھتا ہے کہ تو خود اگر زہد و پارسائی کا دعویدار ہے تو تیرے یا تجھ جیسوں کے خوف وہراس اور روک ٹوک کے نتیجہ میں دنیا سے شراب وکباب کے وسائل مفقود ہو جائیں گے ہرگز نہیں۔

بس یہی مختصر سا فقرہ حضرات جوش ملیح آبادی بھی دنیا کے شیوخ اور مولوی صاحبان اور طرح طرح کے واعظ و ناصح اور محتسب حضرت سے کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ''ان کی ٹھیکیداری آزاد مزاجوں پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور ساقی و میخانہ اور میکش و پیمانہ سے چھیڑ چھاڑ نہ فرمائیں''

فقط والسلام مع الاکرام

آپ کا خیر طلب
جوش ملیح آبادی

☆☆
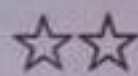
نوٹ:-

اس سے کچھ آگے کے خیالات ہم نے پیران سالوس اور فتنۂ خانقاہ جیسی منظومات کے لئے محفوظ کر رکھیں ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر ہدیۂ ناظرین کئے جائیں گے۔

(مصنف)

شاعر بغاوت وانقلاب جوش ملیح آبادی

(اپنے کلام بغاوت نظام کے ہیرو)

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی سے تو سبھی واقف ہیں۔ لیکن ہم یہاں ان حضرت جوش پر گفتگو چاہتے ہیں جو ایک عظیم تر بغاوت اور ایک وسیع تر انقلاب کے علمبردار ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہماری نظر سے دیکھیے تو حضرت جوش محض اس سیاسی انقلاب کے ترجمان نہیں تھے جس کی رفت وگزشت کے بعد ان کی شاعری کی توانائی سے وہ تمام حرکت وحرارت جاتی رہی جن کے سبب اُن کا ایک رعب اور جاہ وحشم قائم تھا۔

ہماری نظر میں تو جوش کے یہاں انقلاب وبغاوت کے عناصر از اوّل تا آخر ان کے کلام اور ان کے کلام کے نظام میں شاملِ شمائل نظر آتے ہیں۔ اور بارہا ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر ہمیں اس وسیع تر انقلاب اور عظیم تر بغاوت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں جسے ہم نے خانوں میں بانٹ رکھا ہے ورنہ وہ دونوں ایک ہی رزمیہ Epic کے دو نام ہیں اور اس رزمیہ کے ہیرو خود جوش ملیح آبادی ہی ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

دوران تعلیم جب ہم انگریزی شاعر ملٹن کی رزمیہ نظم فردوس گم شدہ Paradise Lost پڑھا کرتے تھے۔ تو سوال آتا تھا۔

اس رزمیہ کا ہیرو کون ہے؟

Who is the hero of the paradise Lost?

مختلف جوابات میں سے ایک جواب یہ بھی ہوتا تھا۔ ملٹن ہی خود اپنی رزمیہ کے ہیرو ہیں۔

Milton himself is the hero of the Paradise Lost

دوسرے جوابات میں حضرت عیسیٰ جن کے جواز میں رزمیہ لکھی گئی تھی یا ابلیس جس کو ملٹن نے بطور باغی اعظم کے Glorify کیا تھا یا پھر خود Milton جس کی شخصیت میں تمام عناصر آ کر ضم ہو جاتے تھے۔

بس یہی صورت جوش ملیح آبادی کی بھی ہے جو خود ہی اپنے کلام بغاوت نظام کے ہیرو اور خود ہی اس وسیع تر انقلاب کے علمبردار بھی ہیں جس کی گونج ہیں ان کی تمام انقلابی اور باغیانہ منظومات میں سناتی دیتی ہے۔

آیئے سب سے پہلے بغاوت بمعنی انقلاب کو ملاحظہ کریں۔

جوشؔ در پردہ قبائے حسین گویا جوشؔ خود کو یہاں پر حسین پاک سے Identify کرتے ہیں۔

فارسی کا مشہور مقولہ ہے۔ ''قدت رامی شناسم ہر کہ جامہ می پوش'' اے میرے محبوب۔ میں تیرے قد کی بلندی سے تیری اس شخصیت کو فوراً پہچان لیتا ہوں جس کی قبا اور جس کا پیرہن بدلتا رہتا ہے۔

بس یہی ہمارا بھی معیار ہے۔ جوش کو پہلے لباس بغاوت میں ملاحظہ کریں:

ہاں اب بھی جو منارہ عظمت ہے وہ حسین
جس کی نگاہ مرگ حکومت ہے وہ حسین
اب بھی جو محو درس بغاوت ہے وہ حسین
آدم کی جو دلیل شرافت ہے وہ حسین
واحد جو اک نمونہ ہے ذبح عظیم کا
شاہد ہے جو خدا کے مذاق سلیم کا

اس بند کے تیسرے مصرع میں علم بغاوت کی سرفرازی اور چھٹے مصرعے میں خدائے پاک کو جناب حسین کے ساتھ امتحان سازی کا تلخ ترین طنز اپنا اعلان خود کر رہا ہے۔ کہ اس میں خدائے پاک کا حسن انتخاب بھی شامل ہے۔

اب اس بغاوت کو انقلاب سے جوڑیئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوتا ہے جو سماج میں جویائے انقلاب
ملتا ہے اس کو مرتد و زندیق کا خطاب
پہلے تو اس کو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شباب
اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب
بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لئے ہوئے
تشنیع و طعن و دشنہ و خنجر لئے ہوئے

اس بند میں مرتد وزندیق کے خطابات کیا کبھی بھی اور کسی طرح بھی تاریخ کرب وبلا میں جناب حسین پاک کے لئے زبان پر لائے گئے ہیں۔ لیکن حضرت جوشؔ کو یقیناً ان کے نام نہاد کفر والحاد پر مرتد وزندیق بڑی تعجیل وتفصیل کے ساتھ کہا گیا ہے۔ اس بند کے ہیرو حسین نہیں جوشؔ ہیں۔ جوشؔ ہی جویائے انقلاب ہیں اور جوشؔ ہی یہاں پر مرکز طعن وتشنیع ہیں کیونکہ وہ جویائے انقلاب ہیں۔

ہمارا گمان ہے کہ کربلا میں حسین پاک کی بے کسی وتنہا کسی بھی جوش ملیح آبادی کے نام نہاد الحاد کفر و کے وجوہات میں سے ایک ہے۔ جس کے سبب وہ خدائے پاک سے ہمیشہ کے لئے ناراض ہو چکے ہیں۔

تنہا ست حسین ابن علی در صف اعدا
اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی
(غالبؔ)

حسین ابن علی کو اکبر وعباس نے تنہا چھوڑ دیا۔ وہ تو انسان تھے۔ عاشق صادق تھے، شہید ہو گئے۔ لیکن خدائے پاک کو کیا ہوا تھا کہ خدا نے بھی حسین پاک کا ساتھ چھوڑ دیا۔

واحد جو اک نمونہ ہے ذبح عظیم کا
شاہد ہے جو خدا کے مذاق سلیم کا

اگر یہی بات ہے تو

رہ کفر کی خاک چھانے گا جوش
نہ مانا ہے تجھ کو نہ مانے گا جوش

(مناجات۔ ۱۹۵۰)

اب حضرت جوش کواپنے کلام بغاوت نظام کا ہیرو مانتے ہوئے اگلا بند ملاحظہ فرمائیں جس کے الفاظ کسی طرح بھی حسین پاک پر صادق نہیں آتے لیکن جو الفاظ فتویٰ وتقویٰ کے ذمہ داروں نے جوش ملیح کے لئے ضرور استعمال کئے۔

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیق نامراد
کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد
پھیلا رہا ہے عالم اخلاق میں فساد
اے صاحبانِ جذبۂ دیرینۂ جہاد
ہاں جلد اٹھو تباہی باطل کے واسطے
جنت ہے ایسی شخص کے قاتل کے واسطے

کیا اسی قسم کی مخالف فضا سقراط کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوگئی تھی کہ اس کو سزائے موت دو کیونکہ وہ عالم اخلاق میں فساد پھیلا رہا ہے۔ سقراط کی طرح حضرت جوش بھی اپنے زمانہ کے ایک ہیرو ہیں کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ" حکومت باطل سے بغاوت کرنا بہت بڑی عبادت ہے"
(حسین اور انقلاب میں ایک فٹ نوٹ)

ہم نے دیکھا کہ حضرت جوش کہیں شاعر انقلاب ہیں۔ کہیں علمبردار بغاوت ہیں، کہیں سقراط کی طرح اور کہیں منصور بن حلاّج کی طرح حق کی بلندی اور حرف حق کی سربلندی کے لئے ہر امتحان وابتلاء ے لئے تیار ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں اور انہوں نے صائب کا یہ شعر حسین اور انقلاب میں نقل بھی کیا ہے۔

گفتار صدق مایۂ آزاری شود
چوں حرف حق بلند شود داری شود
(صائب)

سچائی پر اصرار کرنے والوں کو تو دار ورسن کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے ہماری یہ گفتگو نا تمام رہ جائے گی اگر ہم بغاوت کے نقش قدم کی جستجو کرتے کرتے اس مقام پر نہ پہنچ جائیں جہاں سے بغاوت کا تصور سب سے پہلے وجود میں آیا۔ اس کے لئے ہم تاریخ بغاوت عالم کا انسائیکلوپیڈیا یعنی جوش ملیح آبادی کی نظم بغاوت کے آخری حصہ پر دوبارہ نظر ڈالیں گے جس کا شاید ہم اس سے

قبل بھی کہیں تذکرہ کر چکے ہیں۔ لیجئے پڑھئے بغاوت کی دیوی اپنا تعارف مکمل کرتے ہوئے کہتی ہے:

الاماں میرا جنوں پرور تمرّد الاماں
آسنا دوں میں تجھے دو حرف میں یہ داستاں
جب ازل میں سجدۂ آدم کا اٹھا تھا سوال
ہاں اسی ہلچل کے موقع پر کہ تھا وقت جلال

خود خدائے برتر و قہار سے افلاک پر
کی تھی میں نے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
رعب سلطانی سے یہ چہرہ اتر سکتا نہیں
جو خدائی سے لڑے، شاہی سے ڈر سکتا نہیں

دیکھا آپ نے۔ اب تو پہچان لیجئے کہ خدائی سے لڑنے والا ہیرو کون ہے؟

یہاں رعب سلطانی کا گستاخانہ تیوروں سے سامنا کرنے والا وہی ہے جس کی آواز اس کی تمام انقلابی اور باغیانہ اشعار وافکار میں سنائی دیتی ہے۔ یعنی

رعب سلطانی سے یہ چہرہ اتر سکتا نہیں
جو خدائی سے لڑے، شاہی سے ڈر سکتا نہیں

(بغاوت)

اور یہی آواز دوسری نظم منقبت حسین بہ عنوان اے قلم میں موج زن ہے:

کوئی کہدے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

(منقبت: عظمت قلم)

☆☆
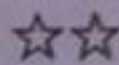
جوش ملیح آبادی کی مالن: متحرک لفظیات کا نقش اوّل

جوش ملیح آبادی کا نگارخانہ، سراپا نگاری کی سحرآمیز مصوری سے بھرا پڑا ہے ہر تصویر اپنے مصور اوّل کی طرح اپنے مصور ثانی کی جمالیات کا بہترین نمونہ ہے جوشؔ کے نگارخانۂ حسن کی فہرست طویل ہے۔ جن میں سے چند نام ذہن سے محو ہی نہیں ہوتے۔

مالن، جامن والیاں، نیچی نگاہیں، گنگا کے گھاٹ پر، یار پری چہرہ، جمنا کے کنارے، جوانی کا تقاضہ، حسن بیمار، اٹھتی جوانی، یہ کون اٹھا ہے شرماتا، جوانی کی آمد آمد، جنگل کی شہزادی، فتنۂ خانقاہ، کوہستان دکن کی عورتیں وغیرہ وغیرہ۔ دو چار ہوں تو گنوایا بھی جا سکے۔ یہاں تو ایک طویل و عریض نمائش ہے جو تا حد نظر جگمگاتی نظر آ رہی ہے۔

ان میں سے ہم نے اس وقت جوشؔ ملیح آبادی کی مالن ہی کا انتخاب کیوں کیا ہے۔ اس کی بھی وجہ ہے۔ ہمارا ہمیشہ کا یہ طریقہ ہے کہ ہمیں جہاں کہیں تماثل و تقابل کا موقع ملجاتا ہے۔ ہم فوراً ٹھٹھک جاتے ہیں اور دونوں تصویروں سے مسحور ہو جانے کی لذت سے محظوظ ہونے لگتے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی کی نظم مالن کیا ہے۔ رنگ و بو کی ایک کہکشاں، ایک رنگین شاخِ گل، ایک حسین گلدستہ، ایک دلفریب چمن اور ایک قیامت خیز انجمن ہے۔ مالن کی آمد، لبوں پر مسکراہٹ، جوانی سے بدمست، تیز تیز سانسوں کی آمد و رفت حسین خرام ناز، آرپار آستینیں، کانوں میں کرن پھول، خوشبوؤں سے بدمست، بازوؤں میں پھولوں کا حسین ترین بازوبند، گویا دوشیزہ نہیں سر سے پاؤں تک ایک گل بدن تصویر خراماں ہے۔ دور سے آتی نظر آ رہی ہے اور دور تک جاتی نظر آ رہی ہے۔

اس نظم کا ہر مصرع اس قدر بھرپور، اس قدر چسپاں اس درجہ مصوّر ہے کہ کوئی لفظ، کوئی حرف کوئی فقرہ کسی دوسری دوشیزہ کے لئے نہیں صرف ایک مالن ہی کے لئے مختص اور وقف ہے۔

یہ بھی ہو سکتا تھا اور ایسا ہونا بھی صرف شاعری، ساحری اور جادو بیانی ہی میں ممکن ہو سکتا ہے کہ یار پری چہرہ یا جنگل کی شہزادی میں مستعمل الفاظ کی طرح اس کے الفاظ بھی اس قدر آفاقی اور کائناتی

ہوتے کہ کسی بھی دوشیزہ کا حسن بیان کرتے اور ہر قاری اپنے اپنے محبوب کو وہ الفاظ نذر کر سکتا۔

لیکن یہاں تو معاملہ اتنا خاص الخاص ہے کہ مالن والی والی نظم صرف اس مالن ہی کو پیش کرتی ہے جس کا سراپا جوشؔ کی آنکھوں کی بصارت بنا ہوا ہے۔ لیکن اس اختصاص میں جوشؔ کی لفظیات کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے جو جوشؔ کی دوسری نظموں میں بھی از اوّل تا آخر تلاش و جستجو سے ملتا ہی چلا جاتا ہے۔

جوشؔ کی اس خصوصیت لفظیات کو ہم جوشؔ کے متحرکات کا نام دیتے ہیں لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ہم ازراہِ تقابل انگریزی زبان کی ایک کتاب کے ایک انتخاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ کتاب کے احوال وکوائف حسبِ ذیل ہیں کتاب کا نام ہے۔

Poems from Sanskrit
(and from other classical sources)
by John Borough — Penguin Classics 1968

اس کتاب میں سنسکرت کے علاوہ Greek زبان سے بھی ایک انتخاب ہے اور اس نظم کا عنوان بھی ''مالن'' یا پھول والی دوشیزہ ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ مصنف کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اور بعد میں اس اُردو ترجمے کی بھی کوشش کی جائے گی۔

Title of the poem	نظم کا عنوان
Rose - Girl	مالن، شہزادی

Rose girl pretty as roses
What is it you sell
your self ? or just the roses
or rose and girl as well

اے مالن شہزادی — تم کیا بیچ رہی ہو — تم تو خود سراپائے گلاب ہو — تو کیا تم خود کو بھی پیش کرتی ہو — یا صرف گلاب ہی گلاب بیچ رہی ہو۔

دیکھئے کہ مالن کے تقابل کے لئے یونانی زبان سے کیا خوبصورت نظم ہاتھ آتی ہے احباب وارباب لطف اٹھائیں اور خاکسار کی جستجو کو داد و تحسین سے نوازیں

☆☆

جوش ملیح آبادی کے متحرکات

جوشؔ ملیح آبادی کی لفظیات کا جس قدر بیش از بیش مطالعہ کیا جاتا ہے اتنا ہی بڑھ چڑھ کر محنت ومشقت کا انعام بھی ملتا چلا جاتا ہے۔ جب لفظیات کا کوئی نیا گوشہ ہاتھ آتا ہے تو لگتا ہے نہ جانے کیا کچھ خزانہ ہاتھ آگیا جوش کی لفظیات ضرورت اور غایت ومقصد کے لحاظ سے کہیں جامد وساکن اور کہیں کسی دوسری کشش وتپش کے نتیجہ میں متحرک نظر آتی ہیں۔

ان متحرک لفظیات کو ہم نے سہولت کے لئے جوشؔ کے متحرکات کا نام دیدیا ہے۔ اس کی سب سے خوبصورت مثال ہمیں ان کی نظم مالن میں ملتی ہے۔ جس کا پہلے کہیں تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔

آیئے ذرا جوشؔ کی آنکھوں سے ان کی مالن والی سراپا نگاری کا لطف مزید لیں اور اپنی ادب شناس طبیعت کو ادبی چاشنی اور فنکارانہ چابکدستی کی مثالوں سے آسودگی کی لذت پہچانے کی کوشش کریں۔ دیکھئے وہ مالن آرہی ہے

آرہی ہے باغ سے مالن وہ اٹھلاتی ہوئی
مسکرانے میں لبوں سے پھول برساتی ہوئی

نصف آنکھیں بند کر کے سونگھتی پھولوں کے ہار
ہر نفس بے ہوش ہو کر ہوش میں آتی ہوئی

اینڈتی، مڑتی، خود اپنی کمسنی سے کھیلتی
بھاگتی، رکتی، ٹھٹکتی بال بکھراتی ہوئی

گنگناتی، مسکراتی، لڑکھڑاتی، جھومتی
مثل ابر اپنے ہی پر خود پیچ وخم کھاتی ہوئی

ان الفاظ میں لوچ ہے، لچک ہے، حرارت ہے، حرکت ہے، تواتر ہے، مصروفیت و مشغولیت ہے، لگاتار افعال واعمال کا کرشمہ ہے، ایک کے بعد ایک کام کا جادو ہے۔ یہ لگاتار تواتر سراپا کو مصوری و مجسم کی حدود سے نکال کر جیتا جاگتا ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ہم اس میں آثارِ حیات وحرکات پا کر اس نظارے پر قربان ہو بیٹھتے ہیں۔ ہمیں مالن کے ساتھ، مالن کو زندہ وتابندہ پیش کرنے والے کے لفظیاتی عبور پر حیرت وتعجب میں مزے پر مزہ آتا چلا جاتا ہے۔

اس لطیف لفظیاتی لذت سے مزید از مزید محظوظ ہونے کے لئے آئے کچھ اور بھی کہیں اور بھی تجسس کریں۔

اب ہماری نگاہ ان کی ایک باغیانہ نظم شکست زنداں کا خواب پیش کرتی ہے جس میں ہم انقلاب فرانس کے زمانہ میں The Fall of Bastile یعنی اس زمانہ کے شاہی قید خانہ کے انہدام اور انقلابیوں کے آزاد اژدھام کی یاد تازہ کر کے اور زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ایک نظر متحرکات لفظیات کا ملاحظہ ہو۔

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید سب قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹی زنجیریں

ان اشعار میں گونج، توڑ پھوڑ، سنبھلنا، جاگنا، جھپٹنا، ہوش میں آنا، اٹھنا، بیٹھنا، دوڑ دھوپ کرنا اور بالآخر قیدیوں کی رہائی کا منظر دیکھا۔

ایک پوری ہلچل، ایک پورا تہلکہ، ایک مکمل انقلاب، ایک جیتی جاگتی قیامت زندہ و ذی روح، تھرکتے چلتے پھرتے، دوڑتے بھاگتے متحرک الفاظ میں اس سہولت اور آسانی سے پیش کردی گئی ہے کہ بایدوشاید حسن اتفاق سے اب ہمارے سامنے جوشؔ کی سب سے عظیم شاہکار نظم لافانی حروف کے کچھ اشعار سامنے آگئے۔ ویسے تو لافانی حروف والی نظم جوشؔ ملیح آبادی کی ان چند زبردست منظومات میں سے ایک ہے جن میں حرف حرف اور لفظ لفظ میں متحرکات کا جادو جگایا گیا ہے۔ لیکن ان چند مصرعوں پر بھی اگر نظر ڈالئے تو باقی نظم کے متحرکاتی لفظیات کا اندازہ خود

بخود ہو جائے گا اگر چہ یہ نظم اپنے مطالعہ کے لئے ایک پورے علیحدہ عنوان کی مستحق ہے۔ لیکن چونکہ ہم اس جگہ متحرکات جوش پیش کر رہے ہیں تو اس وقت اسی کی اجازت سہی۔ ملاحظہ فرمائیں

لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہیں انگلیاں
ذہن خالق کی حکایت زندگی کی داستاں

ناچتی گاتی تھرکتی شوخیاں کرتی ہوئی
سینۂ کاغذ میں دل کی دھڑکنیں بھرتی ہوئی

عارض قرطاس کو نوکِ قلم سے چومتی
دوڑتی، لڑتی، ٹھٹکتی، گنگناتی، جھومتی

لکھ رہی ہیں گیت، فریادیں، ترانے چہچہے
ہچکیاں، سرگوشیاں، آنسو، دعائیں قہقہے

ناز کر اے دل کہ آہ و ارغنوں کے درمیاں
لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں انگلیاں

(لافانی حروف 1960)

دیکھئے اس نظم میں جس کا عشر عشیر یہ نمونہ ہے۔ اس کا ٹیلی ویژن کی زبان میں ایک Pulse بھی خالی نہیں جارہا اس قدر لگاتار، مسلسل، متواتر چہل پہل، کام کاج رفتار و گفتار ہے کہ اس کا شمار و قطار بھی ناممکن نظر آتا ہے

اس قسم کی مزید سے مزید تر مثالیں تلاش و تجسس سے بہم پہنچا کر جوش شناسی اور جوش فہمی کی پورے انصاف و اکرام کے ساتھ داد دی جاسکتی ہے۔ اب اس ادھورے کام کو ہم باقی جوش شناسوں کے لئے چھوڑ رہے ہیں۔ خدا حافظ

☆☆

جوش ملیح آبادی کا دین آدمیت

جوش ملیح آبادی کی متضاد طبیعت کی ایک جھلک ہم "جوش کے دو دل" والے مضمون میں دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس پر حیرت نہیں کہ جوش ملیح آبادی سے منسوب ذیل کے اشعار بھی ہیں اور ان ہی سے متعلق ان کی مشہور نظم دین آدمیت بھی ہے جوش کی متضاد طبیعت کی اک اور جھلک اس شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اک عمر سے انکار پہ مائل ہے دماغ
اور دل ہے کہ اقرار کئے جاتا ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

اللہ کو قہار بتانے والو
اللہ تو رحمت کے سوا کچھ بھی نہیں

ایک اور قدم آگے یہ ملاحظہ کیجئے۔

ملا جو موقع تو روک دوں گا جلال روز حساب تیرا
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عذاب تیرا

ایک طرف عذاب الٰہی کا اقرار اور دوسری طرف اللہ پاک کے قہار بتائے جانے کی تردید، محض ایک حیرت انگیز دوہرے پن کے سوا کچھ اور نہیں۔

اس لئے ہم یک سو ہو کر اس وقت جوش صاحب کے دین آدمیت پر ہی نظر ڈالتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پہلے سے موجود چلے آ رہے دین و مذہب کی بجائے دین آدمیت کی کیا ضرورت آن پڑی۔

اس کا جواب ہمیں جوش صاحب کی نظم دین آدمیت ہی سے فراہم ہو جاتا ہے۔
فرماتے ہیں:-

دین کیا ہے۔ خوف دوزخ۔ حرص جنت کے سوا
رسم تقویٰ کچھ نہیں۔ جبن و تجارت کے سوا
اللہ اللہ یہ مقدس عالمان پر شکوہ
تاجروں کی اک جماعت۔ بزدلوں کا اک گروہ
بند پانی سے انھیں کیا آسکے بوئے فساد
یہ تو ہیں شخصی خدا کے بندگان خانہ زاد

یعنی دین خداوندی سے انسان اس لئے چونکتا ہے کہ اس دین سے خوف دوزخ کی بو آتی ہے اور دین خداوندی کے نام پر جو دین عام ہے وہ کسی شخصی خدا کے بندگان خانہ زاد کی پیداوار ہے اور اس دین کے خدا کو اصلی خدا سے کوئی تعلق ہی نہیں۔
شخصی خدا کے بندگان خانہ زاد کو:-

ان کو اس اصلی خدا سے دور کی نسبت نہیں
جس کے قبضہ میں زماں ہے جس کے قدموں میں زمیں
آج تک پہنچی نہیں جس اوج تک چشم خیال
ایک نامعلوم قوت۔ ایک نادیدہ جمال
اس کی کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا
لیکن ان ارباب مذہب کا نرالا ہے خدا

مجھ کو پوجو مجھ کو چاہو کی صدا دیتا ہے جو
جو نہ چاہے اس کو دوزخ کی سزا دیتا ہے جو

کیا جوش ملیح آبادی کے دین آدمیت کی تصدیق فلاسفہ اور مورخین کی زبان سے بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ اس موقع پر ہمارے سامنے تقابل کیلئے انگریزی زبان کے ایک مشہور مورخ کی کتاب ہے جس کا نام اور مصنف حسب ذیل ہیں۔

A History of God: By karen Armstrong

gramercy books, New york.1993

مغرب کے اس فاضل مصنف نے تصورالٰہی کو تاریخی ارتقاء کے سیاق وسباق میں پیش کیا ہے۔

اب ہم اس مغربی مصنف سے ہی چند سوالات پوچھتے ہیں اور اسی کی زبان سے جوابات بھی۔

سوال:-حضرت کیا دین آدمیت آپ کی نظر میں کوئی چیز ہے اور کیا اسے دین کی اصطلاح میں لایا جاسکتا ہے؟

جواب:-"Humanism" is itself a religion but a religion without God

جی ہاں، دین آدمیت بھی ایک دین ہے جس میں خدا کا کوئی وجود نہیں۔

سوال:-عام طور پر دین ومذہب کس اور کیسے خدا کا تصور پیش کرتے ہیں؟

جواب:-God a stern task master

عام طور پر دین ومذہب کا خدا ایک نہایت سخت مزاج قسم کا آقا ہوتا ہے۔

سوال:-عام دین ومذہب کی کیا چیز اپنے مقلدوں کو خود سے دور کرتی ہے؟

جواب:-Hell fire sermons

قدم قدم پہ دوزخ وجہنم کا خوف وہراس

If is a rather frightening creed

اس دوزخ وجہنم کے سبب یہ ادیان ومذاہب خوفناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔

سوال:-کیا آپ شخصی خدا کے بارے میں کچھ جانتے ہیں فرمایئے؟

Personal god: who does every thing that a human being.does He loves, judges, punishes, sees, hears, creates destroys as wedo.

جی ہاں۔ شخصی خداوہ ہے جو انسانوں جیسی صفات سے متصف بتایا جاتا ہے جو جزاء وسزا دیتا ہے۔ آنکھ اور کان رکھتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ بالکل ہم انسانوں کی طرح

سوال:-حضرت یہ بتائیں کہ شخصی خدا کا تصور کیسے وجود میں آیا؟

God, simply a projection of human needs and desires

جواب:- (i) یہ خدا تو آدمی کے ذہن کی ایجاد ہے......

(ii) اے عزیزو یہ خدا کے بھیس میں انسان ہے

(iii) دوستو ایسا خدا خالق نہیں۔ مخلوق ہے

(دین آدمیت: جوش ملیح آبادی)

دیکھئے:- یہ نظم دین آدمیت، حرف وحکایت سے ماخوذ ہے جو ۱۹۳۸ء میں اشاعت پزیر ہوئی، جبکہ ہمارے مغربی مصنف کی کتاب ۱۹۹۳ء کی مطبوعہ ہے۔ لیکن یہ لگتا گویا ایک نے دوسرے سے گفتگو کے بعد ہی اپنی اپنی تصنیف کو روشن کیا ہے اس تقابل سے ظاہر ہوا کہ جوش ملیح آبادی کے خیالات مشرق ومغرب دونوں مقامات سے تصدیق شدہ ہیں اور جوش اس میں تن تنہا ملوث ومحرم اور قابل مواخذہ نہیں۔

اس نظم کو بالآخر انجام تک پہنچاتے ہوئے جوش اپنے متبادل دین آدمیت کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

اٹھ کھڑے ہوں، آؤ، تکمیل عبادت کیلئے
اک نیا نقشہ بنائیں آدمیت کیلئے
آؤ، وہ صورت نکالیں جس کے اندر جان ہو
آدمیت دین ہو، انسانیت ایمان ہو
میں شراب وہم آبائی کا متوالا نہیں
آدمیت سے کوئی شے دہر میں بالا نہیں

☆☆

دین آدمیت پر کچھ مزید روشنی

اردو ادب کی تاریخ میں Humanism کو بطور ایک "Ism" کے متعارف کرانے والا پہلا شاعر جوش ملیح آبادی ہے۔ یہ بھی اس تاریخ ساز شخصیت کا ایک اہم پہلو ہے جسے روشنی میں لانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ نہ مغربی نشاۃ ثانیہ کے معماروں نے اور نہ مشرق میں ان کے مقلدوں نے اس نقصان عظیم کا احساس کیا جو وجود خداوندی کے تصور کو درمیان سے ہٹانے پر نفسیات انسانی کو برداشت کرنا پڑا۔

وجود خداوندی کو درمیان سے ہٹانے پر نفسیات انسانی کو جس طمانیت قلب اور جس روحانی لذت سے ہاتھ دھونا پڑا اور جس کے نتیجہ میں ایک کبھی نہ بھرنے والا خلا پیدا ہوگیا، اس پر بھی ہم ایک مغربی حوالہ سے ہی مزید روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

روحانی اور الہیاتی دین و مذہب کی نعمت کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں انسان کس قدر cynical بے چین اور Sceptical بے سکون ہوگیا ہے اس پر ہم مشہور مغربی مورخ و دانشور Arnold Toynbee کے درج ذیل الفاظ سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

"دین و مذہب کی روحانیت سے محروم شدہ جدید دور کا مغربی انسان اور اس کا مشرقی پیروکار ایک نہایت تکلیف دہ روحانی خلاء سے دوچار ہوگیا ہے اور اس سکون و اطمینان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے جو فطرت انسانی کے لئے لازم ہے اور جس کا ذریعہ صرف تصور الٰہی اور نظریۂ روحانیت کے بجز کچھ اور نہیں۔ اب انسان کا ہرا بھرا گھر بالکل خالی ہوگیا ہے۔ سائنس اور مادیت پرستی نے اب انسان کے موجودہ گھر کو بالکل ناقابل رہائش بنادیا ہے۔ سائنس اور مادیت پرستی کو

روحانیت والے مذہب کا متبادل بنا کر پیش کرنا بالکل ایسا ہے جیسا کسی بھوکے پیاسے انسان کو روٹی کے بجائے اینٹ پتھر کھانے پر مجبور کردنا۔"

اب ہم اسی عبارت کوخود آرنلڈ ٹائن بی کے انگریزی الفاظ میں پیش کرتے ہیں: دیکھیے

On the contrary, the absence of religion has made modern western man cynical and sceptical. Let us learn the consequences of this disaster from none but the wise historian, Arnold Toynbee:

The dry places through which emancipated western Man and his emancipated non-western disciples now walked, seeking rest, were the spiritual vacuum that they had created in their own souls, and they were bound to find no rest in this state, considering that it is a state which is contrary to human nature. Their house was empty. it had been swept by rationalism and it had been garnished by science-garnished superbly-but not made hospitable for human habitation, for it still remained empty of religion, and to offer Man science as a substitute of religion is as unsatisfactory as it is to offer a stone to a child who is asking for bread."

Arnold Toynbee: A Toynbee Anthology, OUP, Madras, 1978, p. 109

☆☆

جوش ملیح آبادی کی پیکر تراشی، ''عظمتِ قلم'' کے حوالہ سے

جوش ملیح آبادی کی جادبیانی کا ساحرانہ اعجاز ایک برقی لہر کی طرح ان کی تمام وکمال نظموں میں جاری وساری نظر آتا ہے لیکن ان کی بلند آہنگ لفظیات کا جیتا جاگتا جادو جس طرح ان کی منقبت عظمت قلم میں محسوس کیا جاتا ہے اس طرح کی عجوبہ کاری دنیائے ادب میں شاذ ونادر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس نظم سے لطف اندوز ہونے کا تجربہ ایک پرستان جمالیات کے درمیان سفر کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم قدم قدم پر سیم وزر اور گوہر وجواہر کے انباروں کی چکا چوندھ کے گھونٹ بھرتے چلے جارہے ہیں۔

۸۸ بند کی یہ حسین وجمیل نظم اپنے وسیع وعریض دامنی میں تقریباً پانچ ہزار الفاظ کو سموئے ہوئے کم از کم دس اکائیوں پر مشتمل ہے جن میں سے اس وقت اس کی تین اکائیوں سے ہمیں سروکار رہے گا یعنی قلم، آدمی اور انسان۔

حروف تہجی پر مرتب ہم کسی بھی فرہنگ ولغات میں قلم سے متعلق ابواب کا ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ لیکن قلم کی اہمیت و ماہیت عظمت وافادیت اور قلم کے کرشموں کارناموں اور معجزوں پر یکجا طور پر اتنے الفاظ اور اتنی معلومات کسی دوسری جگہ فراہم نہیں پائی جاسکتیں۔ اور اس تمام نظم میں جوش کی لفظیات بانی اور پیکر تراشی بھی تمام سرحدوں کو پار کئے ہوئے نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عظمتِ قلم

اے قلم، چوب خضر، حبلِ متین ارشاد — شانۂ گیسوئے خم دارِ عروسِ ایجاد
قلزمِ وقت میں توز مزمۂ بادِ مراد — تیری تاریخ میں بیتی ہوئی صدیاں آباد

کرۂ خاک صدا نوار و صد آثار کے ساتھ
رقص میں ہے تری پازیب کی جھنکار کے ساتھ

تو خزف کی قمر و لعل و گہر دیتا ہے — شبِ لب تشنہ کو گل بانگِ سحر دیتا ہے
موج تخیل کو لفظوں میں کتر دیتا ہے — روح کاغذ کے مسامات میں بھر دیتا ہے

خامشی کو ہمہ تن ساز بنا دیتا ہے
تو خیالات کو آواز بنا دیتا ہے

تیری ٹھوکر پہ سرِ قیصر و تاج فغفور — تیری مطرب حرکت لرزش مژگانِ شعور
تیرے آغوش میں آبِ خضر و آتشِ طور — تیرے سینے میں شبِ قدر ونمِ صبح ظہور

معتبر ہے جو گواہی سو گواہی تیری
صبح صادق کا سپیدہ ہے سیاہی تیری

تو کہ اک سطر میں سو شہر بسا دیتا ہے — طاقِ الفاظ میں قندیل جلا دیتا ہے
گنگناتا ہے تو کاغذ کو بجا دیتا ہے — فکر سی چیز کو آنکھوں سے دکھا دیتا ہے

جب تجھے معرضِ رفتار میں لے آتے ہیں
کتنے بُت ہیں کہ ترشتے ہی چلے جاتے ہیں

عام طور پر جوش ملیح آبادی کے مضامین وموضوعات down to earth ہوتے ہیں اسلئے ایسی نظموں کے اسالیب بھی اسی تقاضۂ وترتیب سے متاثر رہتے ہیں۔ لیکن عظمت قلم خصوصاً اور جوش ملیح آبادی کی حسنیات (مناقب ومراثی حسین) اپنے موقع وموضوع کے لحاظ سے Grand style کی بلند آہنگی تک پہنچ جاتی ہیں۔ قلم کے بعد جب ہم جوش ملیح آبادی کی اس نظم

میں آدمی اور انسان کے موضوع پر پہنچتے ہیں تو ہمیں ایک اور خصوصیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر چونکہ جوش ملیح آبادی منقبت حسین لکھ رہے ہیں اس لئے یہاں آدمی اور انسان سے ان کا مطلب ''انسان کامل'' سے ہے نہ کہ اس آدمی اور انسان سے جس پر جوش اپنی دوسری نظموں میں خانہ فرسائی کر چکے ہیں۔

اگلے بند میں قلم سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ قلم چونکہ ناپ تول کا سب سے زیادہ معتبر پیمانہ ہے اس لئے وہی آدمی اور انسان یعنی انسان کامل کی ذات وصفات پر پوری روشنی ڈال سکتا ہے۔

اے قلم مسئلہ میزان ومعارف مقیاس علم بنیاد و ہنر محور و ادراک اساس
فکرِ پیما و نظر ناقد فرہنگ شناس مشعلِ قصر ادب، مشرق صبح قرطاس
حسنِ ارضی پہ سماوات کو شیدا کردے
آدمی کیا ہے یہ دنیا پہ ہویدا کردے

اس کے بعد آدمی اور انسان پر لفظیاتی جمالیات کے وہ تمام پری پیکر نثار کردیتے ہیں جو بظاہر کسی دوسرے عظیم شاعر کی دسترس میں نہیں ہوسکتے۔ بند ملاحظہ فرمائیں۔

آدمی، دولتِ دارین و متاع دوراں آدمی نغمۂ داؤد و جمال کنعاں
آدمی وارثِ کونین و رئیس دوجہاں آدمی بربطِ محراب جہانِ گزراں
دَور میں نازشِ آفاق کا جام آتا ہے
لبِ گیتی پہ جب انسان کا نام آتا ہے

فاتحِ ملکتِ باطن وظاہر انساں خسرِ و انجم و دارائے جواہر انساں
شاعر ومطرب و بُت ساز ومصوّر انساں موجد و مصلح و مولا و مفکّر انساں
دیدۂ ارض و سماوات کا تارا انساں
قلزمِ وقت کا مُڑتا ہوا دھارا انساں

آدمی حسنِ شفق، نور سحر، بانگِ ہزار بوئے گل، رنگِ حنا، موج صبا، رقص شرار
نغمۂ جوئے چمن، زمزمۂ ابرِ بہار عشوۂ موسم گل، نازِ ہوائے کہسار
دستِ کونین میں سرشار کٹورا انساں
نرگسِ لیلی ایجاد کا ڈور انساں

آدمی عربدۂ آخر و نازِ اوّل　　آدمی فاتحِ مستقبل امراض و اجل
آمرِ مہرو مہ و زہرہ و ناہید و زحل　　صاحبِ قوس و ہلال و شفق و ابرو جبل
شرف کعبہ و اعزازِ کلیسا انساں
زندگی محمل رقصندہ ہے لیلیٰ انساں

اس کے بعد یہ دکھایا جاتا ہے کہ انسان سی نعمت کائنات کو کتنے جتن وفتن کے بعد میسر آتی ہے۔ میر تقی میرؔ اس موقع کے لئے فرماتے ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

اس کے لئے جوش اپنی تفصیل طلب طبیعت کے ماتحت چند در چند بند انسان کو وجود میں لانے تک کے لئے تخلیق کر کے ذیل کے چند مصرعوں میں اس کی تلخیص اس طرح پیش کرتے ہیں۔

چاندنی نے طبق سیم میں گوندھا ہے اسے　　نرم آنچوں پہ مہ و سال نے سینکا ہے اسے
چھیناں وقت کی ٹوٹی ہیں تو کھرچا ہے اسے　　سرخ تیشوں سے شعاعوں نے تراشا ہے اسے
جو بن اپنا مہ و خورشید نے جب گھالا ہے
تب کہیں نور کے سانچے میں اسے ڈھالا ہے

آب و آتش، خزف و برگ، سراب و دریا　　ظلمت و نور، گل و خار، سردد و غوغا
چمپئی دھوپ ، سیہ ابر، گلابی جاڑا　　پابہ گل کوہ، دواں نہر، پر افشاں صحرا
ان سب اضداد نے مل جل کے سنوارا اسے
خاک نے کتنے جتن کر کے نکھارا ہے اسے

ہم یہاں پر اپنے قارئین کو اپنی spoon feeding کے ذریعہ پیکر تراشی اور لفظیات بافی کی طرف رہنمائی نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ہر بند اپنی جگہ خود بول رہا ہے۔ البتہ ہم ایسے اشارے ضرور دیتے چل رہے ہیں جنہیں ہم نے کچھ مخصوص طور پر محسوس کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لحاظ سے یہاں پر جوش ملیح آبادی کی یہ وسیع النظری اور فیاضی بھی قابل غور ہے جس کے تحت وہ شعراء اور فضلا کے ساتھ ساتھ صلحا اور اصفیا کی تقدیس بھی پیش کر رہے ہیں ورنہ اس بیباک شاعر نے مقام شیخ فتنہ خانقاہ، مولوی اور پیران سالوس کے عنوان سے کتنوں کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ یہ

تبدیلی بہ تقاضائے موضوع (انسان کامل) بھی ملاحظہ ہو۔

آدمی صاحب گیتا وزبور وقرآں　　کفر ہے اس کی صباحت تو ملاحت ایماں
بانی دیر و حرم، واضعِ ناقوس و اذاں　　خالق اہرمن و موجد حرف یزداں

یہ جو عیب و ہنر و زشتی و زیبائی ہے
فقط انساں کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

آدمی، حافظؔ و خیامؔ و انیسؔ و عرفیؔ　　غالبؔ و مومنؔ و فردوسیؔ و میرؔ و سعدیؔ
خسرو، و رومیؔ، غفار و جنید و شبلیؔ　　یونسؑ و یوسف و یعقوبؑ و سلیمانؑ و علیؑ

خطبۂ حضرتِ خلاق کا منبر انساں
انتہا یہ کہ محمد سا پیمبر انساں

آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو بندے پہچان　　اور بیگانہ ہے انساں سے اب تک انسان
اس جہالت میں کہاں علم خدا کا امکان　　شرطِ اوّل ہے کہ حاصل ہو بشر کا عرفان

گو قباحت ہے بڑی کا فریزداں ہونا
اس سے بدتر ہے مگر کافر انساں ہونا

ہم نے دیکھا کہ قلم آدمی اور انسان کے موضوعات پر جوش ملیح آبادی نے اپنی لفظیات اور پیکر تراشی کے کیا کیا جوہر دکھاتے ہیں۔ ہم اس سے قبل جشن آدمیت، درس آدمیت اور دین آدمیت میں جوش کے آدمی نامہ کا مطالعہ کر چکے ہیں جو یہاں آ کر جوش کے انسان کامل کے تصور پر پورا ہو جاتا ہے۔ باقی بند منقبت کے ہیں جن میں مناقب حسین اور مراتب کربلا کے ذریعہ انسان کامل کے نظریہ کو مثال وتمثال کی توثیق وتصدیق سے سجا کر لافانی بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اتنی طول و طویل نظم میں ایک اک لفظ اور ایک اک حرف میں پیکر تراشی کے ہر حسن کو بھی سمو کر رکھ دیا ہے جو صرف جوش ملیح آبادی کے ہی بس کا تھا، ہمہ شما جیسے شعراء اس جلیل القدر عہدہ سے برآ نہیں ہو سکتے۔

☆☆

جوش ملیح آبادی کی آگ

(لفظیات کے افہام و تفہیم کے لئے اک شاہ کلید)

انتخاب کلیات جوش (ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی) میں چند نامکمل اور غیر تصحیح شدہ طریقہ سے چھپے ہوئے دس بارہ اشعار آگ کے عنوان سے صفحہ ۱۸۱ پر ملتے ہیں اس میں ایک بند حسب ذیل ہے جس سے اٹھے ہوئے چند سوال اپنے کافی وشافی جوابوں کے لئے تقاضہ کرتے ہیں، حسن اتفاق سے ان تمام سوالوں کے جوابات خود داخلی تقابل Internal comparison کے ذریعہ کچھ اس طریقہ سے فراہم ہو جاتے ہیں جس طریقہ پر کاربند ہوکر، جوش ملیح آبادی کی لفظیات کو سمجھنے اور ایک طرح افہام تفہیم کا نظام قائم کرنے کا راستہ نکل آتا ہے۔

پہلے وہ بند ملاحظہ ہو۔

آگ، دانائی، تامل، دوربینی، آگہی
آگ، جولانی، حرارت، مسکراہٹ، روشنی
آگ، مستی، سرخوشی، ہستی، جوانی، زندگی
آگ، گویائی، خطابت، شاعری، پیغمبری
اوضیا کی جلوہ باری، انبیاء کی روشنی
گھر کا ایمان، ترسا کے خدا کی روشنی

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اتنے تمام الفاظ آگ کے مترادف کیونکر ہو سکتے ہیں اور جو مترادف ہو سکتے ہیں وہ کوئی اشکال پیدا ہی نہیں کرتے۔ مثلاً آگ کو جولانی، حرارت، روشنی تو یقیناً کہا جا سکتا ہے۔ آگ کو خدا کا استعارہ یا علامت جان کر کچھ مذاہب میں پوجا بھی جاتا ہے اور

آگ کی پرستش کا تصور بھی عام طور پر معلوم ومشہور ہے۔آگ کو جب روشنی کہہ دیا گیا اور جب آگ کو لائق پرستش بھی مان لیا گیا۔

تو آگ کو یقیناً پیغمبری اور انبیاء کی روشنی بھی کہا جاسکتا ہے آگ کو خطابت اور شاعری بھی کہا جاسکتا ہے۔آگ میں حرارت اور روشنی تو ہوتی ہی ہے۔چنانچہ انسان کی سرشت میں Genius کے تقاضوں کو روشنی سے عبارت کیا گیا ہے۔مصرع فارسی میں مشہور ہے۔

اے روشنی طبع، تو برمن بلاشدی

یعنی اے میری سرشت وطبیعت کی افتادتو میرے واسطے بڑی آزمائش بن گئی ہے اور ہروقت مجھ پر طرح طرح کے تقاضوں کے ذریعہ اپنے اظہار کیلئے مجبور کرتی رہتی ہے ادب میں شرر باری اور شعلہ نوائی کو خطابت کا سرچشمہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح انگریزی زبان میں بھی آگ کا استعمال اس قسم کے سیاق وسباق میں ہوتا ہی ہے۔

Fire : Excitement, enthusiasm, passion
emotion, instigation

دیکھئے آکسفورڈ یا چیمبرس ڈکشنری۔

لیکن جس طرح جوش ملیح آبادی نے استعمال کیا ہے کیا اس کا جواز اور اس میں اس قسم کے معانی جوش کے یہاں دوسرے مقامات پر بھی چلتے ہیں۔اس نظم آگ میں جوش نے لکھا ہے۔

آگ: موج نور و موج رنگ و موج رقص و موج ناز
آگ: نو عروس لالہ بار و لیلی پروین جبیں
آگ: شاہد شام ملیح و دختر صبح مبیں

آگ سے جوش کو اتنا شغف کیوں اور اگر ہے تو دیگر مقامات پر بھی آگ کا استعارہ اپنی متنوع جلوہ ہاری کے ساتھ ضرور ملے گا۔آئے تلاش کریں۔

آئے کلام جوش میں آگ تلاش کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جوش نے آگ کو دانائی، تامل، دور بینی آگہی کیوں کہا ہے۔

(ا) جوش ملیح آبادی کا مجموعۂ منظومات حرف وحکایت اپنی سب سے پہلی نظم شعری

آگ سے شروع ہوتا ہے۔ گویا جوش میں شاعری کیا ہے۔ اک آگ ہے، اک شرر ہے، ایک شعلہ ہے، ایک حرارت ہے، ایک روشنی ہے، ایک تقاضہ ہے، ایک قوت ہے، ایک طاقت ہے، ایک ودیعت ہے، ایک طبیعت ہے، ایک سرشت ہے، ایک رجحان اور ایک افتادطبع ہے اور جب یہ سب کچھ ہے تو یقیناً دانائی، تامل، دور بینی اور آگہی کے نام سے بھی آگ کو پکارا جا سکتا ہے۔

جب بطور ایک انقلابی مجرم کے جوش کے گھر کی تلاشی لی گئی تو جوش نے حکومت سے کہا کہ جس شے کی حکومت متلاشی ہے وہ گھر میں اور میز کے خانوں میں نہیں بلکہ خود شاعری انقلاب کے سینہ وسفینہ میں محضوظ رکھی ہوئی ہے۔

جس سے امیدوں میں بجلی آگ ارمانوں میں ہے
اے حکومت کیا وہ شے ان میز کے خانوں میں ہے
جس کے اندر آگ ہے، دنیا پہ چھا جائے وہ آگ
نار دوزخ کو پسینہ جس سے آجائے وہ آگ
موت جس میں دیکھتی ہے منہ۔ اس آئینے کو دیکھ
میرے گھر کو دیکھتی کیا ہے۔ مرے سینے کو دیکھ

(تلاشی)

آگ دراصل جوش ملیح آبادی کے مرکزی استعاروں میں سے ایک انتہائی مکرر در مکرر استعارہ ہے۔

جوش کی نظم بغاوت کا آغاز دیکھئے۔

ہاں بغاوت، آگ، بجلی، موت، آندھی میرا نام
میرے گرد و پیش اجل، میری جلو میں قتل عام

آگ کو جنگل کی شہزادی کی نظم میں شئے پیوست کی طرح دیکھئے۔

لوہا تپانے والی، جلووں کی ضوفشانی
سکے بٹھانے والی اٹھتی ہوئی جوانی

فتنۂ خانقاہ میں دیکھئے۔

آنکھوں میں آگ فشوۂ آہن گداز کی

آگ کی کارفرمائی سے آگاہ کرنے کے لئے نقاد سے سوال پوچھتے ہیں۔

جلتے دیکھا ہے کبھی ہستی کے دل کا تو نے داغ؟
آنچ سے جس کی غذا پاتا ہے شاعر کا دماغ
(نقاد)

آگ کو حسین اور انقلاب میں ملاحظہ کیجئے۔

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم و زر کے ناگ
گونجے ہوئے ہیں گنبد گرداں میں غم کے راگ
پھر موت رخش زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ
تا آسماں بلند ہوا ے زندگی کی آگ
فتنے کو اپنی آگ کے جھولے میں جھونک دے
ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے

(حسین اور انقلاب)

(۷) آگ کو منقبت ''عظمت قلم'' کے اشعار میں مشاہدہ کیجئے۔

بخش دے آگ مرے سرد عزا اداروں کو
ہاں جگا ڈاب میں سوتی ہوئی تلواروں کو

چٹکیاں لے نہ لہو میں اور تو جوانی کیا ہے
آگ کی جس میں نہ ہلچل ہو وہ پانی کیا ہے
(عظمت قلم)

دیکھئے، ہم نے آگ کو جوش کی شاعری میں پایا۔ ان کی بغاوت میں پہچانا ان کی تلاشی میں ڈھونڈا، ان کے ذکر شباب (جنگل کی شہزادی اور فتنۂ خانقاہ میں ملاحظہ کیا اور اب شباب کے بعد شراب کا مشاہدہ بھی سہی۔

(۸) کیا شیخ ملے گا گلفشانی کرکے
کیا پائے گا توہین جوانی کرکے

تو آتش دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں
جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کرکے

اس تلاش وجستجو سے یہ قاعدہ کلیہ نکل کر آیا کہ جب جوش کی کسی لفظیات میں کوئی اشکال درپیش ہو اس کا حل کسی دوسری جگہ تلاش کیا جائے کیونکہ اس طرح خارجی عوامل اور داخلی اثرات دونوں طرح کے تال میل سے ہی کسی بھی لفظیاتی یا معانیاتی عقدے کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اب آگ کی پوری خوبصورت نظم اپنے مقام پر کسی انتخاب میں مل جائے گی۔اب ہماری طرف سے یہ کام آپ کے سپرد ہے کہ جوش ملیح آبادی کے بنیادی استعاروں کا پتہ لگائیں اور لطف اٹھائیں۔

کیونکہ ہم اپنے لفظیاتی تجزیہ سے ہٹ کر اس وقت دوسرا کام نہیں کرسکتے۔

معتقدات ومقدسات کے ساتھ جوشؔ کی چھیڑ چھاڑ

ہومر کی طویل نظم اوڈیسی کا ہیرو Odysseus جب ایک نو دریافت جزیرہ سے مزید سفر کے لئے کشتی میں سوار ہونے کا عزم کرتا ہے تو جزیرہ کو اپنے نوجوان فرزند کے سپرد کرتے ہوئے اس بستی کے قبائل سے کہتا ہے کہ یہ نوجوان نہ صرف آپ لوگوں پر برابری، انصاف اور رواداری کے ساتھ حکومت کرے گا بلکہ آپ لوگوں کے قدیم عقائد ومذاہب اور آپ کے دیو مالائی معبودوں کا احترام بھی ملحوظ خاطر رکھے گا اور کسی طرح آپ کی دل شکستگی اور دل آزاری کا موجب نہ ہو سکے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ اقوام وملل کے عقائد ومقدسات کا احترام مقبولیت اور ہردل عزیزی کے شرائط وذرائع کا ایک لازم وملزوم جزو ہے۔ جس صاحب فکر ونظر نے اپنی رشحات قلم سے اپنے سامعین وقارئین کے معتقدات ومحترمات کو مجروح کیا تو اس کی ہردل عزیزی میں یقیناً دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جوش ملیح آبادی کی مثال ہمارے سامنے ہے اور ان کے ساتھ ناانصافی کے وجوہات میں سے ایک قوی وجہ یہ بھی ہے۔

حسین اور انقلاب میں خود جوش ملیح آبادی ایک دوسرے سیاق وسباق کے سلسلہ میں حسب ذیل اشعار سپرد قلم کرتے ہیں:۔

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
گھٹی میں تھے جو حل، وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج باپ کے عادات چھوڑ دے

کس جی سے کوئی رشتۂ اوہام توڑ دے
ورثہ میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

دیکھئے اس بند کی لفظیات میں اتفاقاً بالکل دیو مالائی تصورات متصور ہیں۔ مثلاً روایات وحکایات، خیالات وعادات رشتۂ اوہام، وراثت میں ملے ہوئے اصنام وغیرہ۔

لیکن جوش نظم شاعر وخدا میں خداوند تعالی کو تاجر ارزاں فروش کہہ کر پکارتے ہیں جس سے خدا پرست سامعین وقارئین کے جزبات مجروح ہو اٹھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

الحذر۔ مل جائے دولت اور گم ہوجائے جوش
واہ کیا کہنا تیرا، اے تاجر ارزاں فروش

ایک دوسری نظم تصویر جمال میں اپنے محبوب نظر کے قدموں پر وہ تمام محترمات و مقدسات نثار کردیتے ہیں۔ جنھیں عوام وخواص نہ صرف سر چڑھاتے ہیں بلکہ بغیر غسل و وضو ان کا ذکر تک نہیں کرسکتے۔

(۱) ''شانوں سے کمر پر گرتے تھے یوں بال کہ دھوکا ہوتا تھا
پیغام رحمت آیا ہے درگاہ الٰہی سے گویا''

(۲) ''ہونٹوں پر دھیمے نغمے تھے یا محو تھی حوریں قرأت میں''

(۳) ''مست نظر تھی خنجر و مرہم۔ لعل لب میں اسم اعظم''

(۴) ''مردوں کو جلا دینے والا۔ یوں نور تھا چشم تاباں میں''
عزم کن کا لمحہ اوّل جیسے ضمیر یزداں میں

(۵) ''تاروں کا پرتو پڑتا تھا۔ یوں عارض کے آئینے میں''
جس طرح شب مہہ ساحل پر۔ یا وحی کے فقرے سینے میں''

فہرست طویل کرنے سے ذائقہ جوش شناسی میں بدمزگی پڑجانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہم علی ہٰذ القیاس کہہ کر صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اپنی ناانصافی کے خود جوش ملیح آبادی بھی کسی حد تک ذمہ دار ہیں۔

لیکن ہماری پوری کتاب گواہ ہے کہ ہم چند عوارض کی بنا پر اپنی جوش پسندی اور جوش فہمی سے شمہ برابر بھی دست بردار نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ

''عیب مے جملہ بگفتی، ہنرش۔نیز۔بگو۔''

کسی کے حسن و جمال کی تعریف وتوصیف کرتے وقت ہمیں کیا احتیاط برتنی ہے، اس پر ایک اشارہ ہم ایک انگریزی کتاب سے مستعار لیتے ہیں۔ پہلے وہ انگریزی الفاظ پھر اس کا ترجمہ اور پھر کتاب کا نام۔

The poet's purpose is not just to say

The moon is like the lady's face

But to express it, in a different way

And with a certain grace

یعنی شاعر کا کام اتنا ہی نہیں کہ وہ چاند کو اپنے محبوب کے چہرہ کی تصویر بتائے۔ بلکہ یہ بھی کہ جو کچھ کہا جائے وہ اپنے طرز و اسلوب کی انفرادیت کے ساتھ اور وہ بھی ایک لطیف و سبک نازک خیال کے انداز میں۔

یہاں grace سے مراد حسنِ کلام سے ہے۔جس کا تصور شان جمال کے خالق نے لحاظ نہیں رکھا۔کتاب کا نام اور مصنف

Poems from sanskrit (and other sources)

Penguin classics 1968

By: John Borough

"فتنۂ خانقاہ" جوش ملیح آبادی کا ایک شہرۂ آفاق شاہکار

کلام جوش کے پگھلی ہوئی آگ کے دریا سے گزر کر اب ہم میں اتنی حرکت وحرارت ضرور آ گئی ہوگی کہ ہم جوش ملیح آبادی کی اس شاہکار نظم سے لطف اندوز ہو سکیں جس کو جوش کے لاتعداد اشعار والے کلام میں عروس المنظومات ہونے کا خطاب حاصل ہے۔ فتنۂ خانقاہ جوش کے کلام میں زبردست مرکزیت کی حامل ہے۔ اگر انگریزی کی اصطلاحات کا سہارا لیا جائے تو فتنۂ خانقاہ دونوں طرح کی مرکزیت رکھتی ہے۔

مرکزی کشش 1- Centripetal force

مرکزی انتشار 2- Centrifugal force

ا۔ یعنی جو قوتِ تخیل فتنۂ خانقاہ کی تخلیق کے پس منظر میں کارفرما ہے وہی جوش ملیح آبادی کی بیشتر صلاحیتوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

۲۔ دوسری وہ مرکزی قوت انتشار جو ایک خانہ برانداز چمن کی طرح جوش کے کلام کو گل وثمر بانٹتی ہے۔ فتنۂ خانقاہ میں کارفرما تخیل جوش کی شاعرانہ صلاحیتوں کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور نقطۂ عروج بھی۔ اس لئے اس نظم میں جوش کی بہترین صلاحیتیں اپنا اظہار کرتی معلوم ہوتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ فتنہ خانقاہ کے پس منظر میں جو قوت تخیل ہے اسی نے جوش کے کلام کو وہ محاسن بخشے ہیں جس کی بنا پر جوش کو شہنشاہ لفظیات کہا جاتا ہے۔

فتنۂ خانقاہ ایک زبردست حکائی پہلو بھی رکھتی ہے اور اگر علائم نگاری کی اصطلاح میں ذرا وسعت سے کام لیا جائے تو فتنۂ خانقاہ بہترین علامتوں کے ذخائر سے بھی مالا مال ہے۔

یوں تو کلام جوش کی سحر انگیزی اور قیامت خیزی کا یہ عالم ہے کہ ان کی ہر نظم شعریات

ولفظیات کا ایک شاہکار نظر آتی ہے۔ اس پر بھی جوش کی نظم فتنۂ خانقاہ کو ان کی عروس المنظومات کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جوش نے واعظ ناصح، مولوی و محتسب شیخ و مفتی اور ان کے لحاظ سے نام نہاد پیر و مرشد پر کہیں علیحدہ عنوانات سے اور کہیں بر سبیل تبصرہ اور بہ انداز تذکرہ، الگ الگ اور ملی جلی منظومات سپرد قلم کی ہیں، اس طرح جوش کے شبابیات کے نگار خانے بھی حسن کاری اور سراپا نگاری کے موضوعات و مضامین سے بھرے پڑے ہیں۔ اس سیاق و سباق میں فتنۂ خانقاہ کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ یہاں طنزیات و شبابیات کے چند در چند عناصر یکجا طور پر مجتمع و مرتب انداز سے موجود ہیں، اور یہ دونوں عناصر تخلیق و تصنیف کے تمام و کمال محاسن کے ساتھ اس گلدستہ ہمہ رنگ میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔

فتنہ خانقاہ کا ایک لطف یہ بھی ہے کہ اس میں شاعر نے اپنی طرف سے خانقاہ اور خانقاہ نشینوں کے خلاف ایک حرف بھی نہیں کہا ہے بلکہ ایک حسینۂ عالم کو اس کے حسن اور خانقاہ نشینوں کو ان کے عیب و عمل کے دوران گویا رنگے ہاتھوں طشت از بام کر دیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنے آپ ہوتا چلا گیا ہے، شاعر کی طرف سے کسی محنت و مشقت کسی بالارادہ ضاعیانہ کوشش و ورزش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ پھر بھی اس نظم کی جمالیات حرف حرف میں اپنے نقطۂ عروج کو چھوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور گویا بہ صورت نظم ایک حسن تمام ہے کہ آنکھوں کو چکا چوندھ کیے دیتا ہے۔

ساخت و پرداخت کے لحاظ سے بھی فتنہ خانقاہ ایک حسین ترین تخلیق ہے۔ شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے اسے کسی تمہید و تعارف کے بغیر برملا و برجستہ انداز میں یک لخت پیش کر دیا ہے اور وہ بھی کچھ اس انداز سے کہ آئندہ کی بندشوں اور آنے والے (suspense) ٹکڑوں کی تشنگی اور خواہش جاری رہے جاتی ہے یہاں تک کہ آخری بند میں نظم اس تکمیل کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے کہ اس تکمیل سے بھی اک جمالیاتی تسکین و تشفی کا احساس اور ایک جمالیاتی آسودگی کی لذت کبھی نہ ختم ہونے کے لئے قاری کے جمالیاتی کام و دہن میں برقرار رہ جاتی ہے۔

دنیا داروں کی بستیوں اور آبادیوں سے بہت دور کہیں کسی خلوت کوہ و دمن میں ایک قدیم مزار شریف کے ارد گرد ایک خانقاہ کی عمارت ہے۔ یہاں زہد و ریاضت اور عبادت و پارسائی کے پرستار، دنیا و مافیہا کے لواحق و علائم کے منہ پر خاک ڈال کر اپنے سکون قلب اور تزکیۂ نفس میں مشغول اور ہر لحہ اپنے خالق و رازق کی تسبیح و تہلیل میں مصروف نظر آتے ہیں اور یہاں سے دنیا

کی طرف واپس لوٹنے کے تمام وسائل وخصائل کو نذر آتش کر کے۔اب تا حیات اسی خانقاہ میں عزلت نشینی و پناہ گزینی کی غرض سے جمع ہو گئے ہیں۔اب یہاں کے پیر وفقیر پوری عافیت ومحویت کے ساتھ اپنے خدائے پاک کے جلال و جمال کے تصور تجلیات میں گم ، اپنی عبادات وتسبیحات میں مصروف وسفول رہتے ہیں اور اب یہ خانقاہ ہی ان کی زندگی کا ماحصل اور ان کی حیات کی منزل مقصود قرار پا چکی ہے۔

یہ ریاضت وعبادت والی زندگی اس خانقاہ اور اس پناہ گاہ میں بہ سکون تمام چین اور آرام سے بسر ہو رہی تھی کہ اک روز اچانک ایک رشک آفتاب ورشک مہتاب دوشیزہ بڑی شرم و حیا اور بڑی عقیدت ومودّت کے ساتھ مزار پاک پر حاضری دینے اور نزرانۂ فاتحہ پیش کرنے کی غرض سے وارد ہوئی اب کیا تھا پوری خانقاہ میں کہرام مچ گیا اور یہ رہبانیت وروحانیت کی پناہ گاہ اچانک ایک قیامت خیز اور حشر انگیز زلزلے کے سپرد ہو گئی اور اس حسینۂ روز گار کی آمد گویا ایک فتنۂ خانقاہ سے عبارت ہو کر رہ گئی۔

اک دن جو بہر فاتحہ اک بنت مہر و ماہ
پہنچی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ
زہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ
ہونٹوں پہ دب کے ٹوٹ گئی ضرب لاالہ
برپا ضمیر زاہد میں کہرام ہو گیا
ایماں دلوں میں لرزہ بر اندام ہو گیا

ملاحظہ فرمائیں کہ دوشیزہ تو نظر جھکاتے ہوئے ہے اور زہاد اپنی ضرب لاالہ کی ریاضت پر خاک ڈال کر دوشیزہ کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔وہ جولاالہ کہتے تھے اور مانتے تھے کہ اس ایک مالک کے سوا کوئی معبود ومسجود نہیں ، وہ حسن کے قدم ولذوم پر سجدہ ریز ہو جانے کو بے قرار ہیں۔اس دوشیزہ کی طرف سے کوئی گہنہ سرزد نہیں ہوا وہ شرم وحیا کی دیوی تو پوری عقیدت کے ساتھ اس خانقاہ میں بہ تمام سکون واطمینان حاضر ہے اور ادھر:۔

یوں کوئی آتی ہر نگاہ سے آواز الاماں
جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں دے اذاں

دھڑکے وہ دل کہ روح سے اٹھنے لگے دھواں
جلنے لگیں شیوخ کے سینوں پہ داڑھیاں

پر تو فگن جو جلوۂ جانانہ ہوگیا
ہر مرغ خلد حسن کا دیوانہ ہوگیا

جوش ملیح آبادی کی شوخیٔ ایمائیت دیکھئے۔ایک بلند پہاڑ کی چوٹی۔ پھر ایک تیز آندھی کا عالم۔اس میں آواز اذاں کی گونج۔سوچئے کہاں سے کہاں تک گئی ہوگی۔لیکن نہ پہنچی تو خانقاہ نشینوں تک نہ پہنچی۔یہ شیوخ ڈاڑھیاں ہلا ہلا کر دوشیزہ کے حسن و جمال پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔ان کو آواز اذاں بھی گم راہی سے باز نہ رکھ پاتی۔ ادھر یہ حسینۂ عالم اپنی حسن کی بے خبری و بے نیازی کے عالم میں فاتحہ خوانی کے لئے دست دراز ہے ادھر خانقاہیوں کے دل و جان میں اس فتنۂ عالم کے دیکھے سے قیامت کا سوز و ساز ہے۔ملاحظہ ہو۔

ہاتھ اس نے فاتحہ کو اٹھائے جو ناز سے
آنچل ڈھلک کے رہ گیا زلف دراز سے
جادو ٹپک پڑا نگہہ دل نواز سے
دل ہل گئے جمال کی شان نیاز سے

پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمت پھر گئی
اک پیر کے تو ہاتھ سے تسبیح گر گئی

دیکھئے یہاں پر جوش ملیح آبادی اپنی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کر رہے ہیں۔گویا ایک automatic کیمرہ اس آفت روزگار کی آمد اور خانقاہوں پر اس کے قیادت خیز نتائج کی فوٹوگرافی کر رہا ہے واقعات از خود رونما ہو رہے ہیں اور جوش ملیح آبادی کے اس تھیس Thesis کی تصدیق کر رہے ہیں کہ یہ خانقاہیں رہبانیت و روحانیت کے متلاشیوں کی پناہ گاہیں نہیں ہیں بلکہ پیران سالوس کی رہائشی گاہیں ہیں۔جہاں:-

ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے انساں کو بہر طور دغا دیتا ہے

کر سکتے نہیں گہنہ جو احمق ان کو بے روح نمازوں میں لگا دیتا ہے

ایسے پیران سالوس کے مقابلہ میں تو ہم عوام الناس ہی بہتر ہیں کیونکہ :-

ہم دیکھ کے مہوشوں کو کیا کہتے ہیں اتنا ہی کہ بس صل علیٰ کہتے ہیں
لیکن یہ غلام زر بہ ایں ریش دراز موقع ہو تو ہر بُت کو خدا کہتے ہیں

موقع سامنے ہے اور جو ہو رہا ہے۔ وہ ہم بہ چشم خود دیکھ رہے ہیں۔ یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ہم "صل علی" کی بھی اس موقع کے لحاظ سے دریافت کرتے چلیں تو اس کی یاددہانی کے لئے میر انیس کے ایک سلام کا ایک مطلع یاد آتا ہے اگرچہ اس کا سیاق وسباق اور ہے ایک یہاں بھی لیکن کچھ روشنی تو ڈالتا ہی ہے۔ مطلع یہ ہے۔

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیال صنعت صانع ہے پاک بینوں کو

اب یہ پیران سالوس اپنی پوری بے نقابی کے ساتھ ہمارے سامنے ہیں اور اس فتنۂ خانقاہ کو دیکھ کر ان کا جو حال ہوا وہ بھی حاضر ہے۔

ہر چہرہ چیخ اٹھا کہ تیرے ساتھ جائیں گے
اے حسن تیری راہ میں دھونی رمائیں گے
اب اس جگہ سے اپنا مصلےٰ اٹھائیں گے
قربان گاہ کفر پہ ایماں چڑھائیں گے
کھاتے رہے فریب بہت خانقاہ میں
اب سجدہ ریز ہوں گے تیری بارگاہ میں

آخر کار یہ قصر خانقاہ، ایک فتنۂ خانقاہ کی آمد سے اور پیران سالوس کی حرص وہوا کے ہاتھوں آماجگاہ مکروریا میں تبدیل ہو گیا کیونکہ:

زاہد حدود عشق خدا سے نکل گئے
انسان کا جمال جو دیکھا پھسل گئے

ٹھنڈے تھے لاکھ حسن کی گرمی سے جل گئے
کرنیں پڑیں تو برف کے تودے پگھل گئے

القصہ کفر دین کا دیوانہ ہوگیا
کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ ہوگیا

فتنۂ خانقاہ کے مرکزی خیال کو ہم غالب کے الفاظ میں اور پیران سالوس کے سیاق و سباق میں یوں قلم بند کر سکتے ہیں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا
(غالب)

اس سے زیادہ بالکل صاف الفاظ میں اور پیران سالوس کے سالوس کو بالکل بے نقاب کرنےکے لئے ہم گلستان سعدی سے یہ چار فارسی مصرعے نقل کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ترجمان شیراز جوش ملیح آبادی کے ذریعہ پیران سالوس کے سالوس کی پردہ دری کی کس حد تک تصدی وتوثیق کرتا ہے۔

دی شیخ بازن فاحشہ گفتا — مستی؟
کز خیر گسستی و بہ شر پیوستی!
زن گفت چنانکہ می نمایم۔ ہستم
تو نیز چنانکہ می نمائی — ہستی؟

یعنی کل حضرت شیخ نے ایک پیشہ ور عورت سے کہا کہ تم تو خوب مستی ہیں بسر کر رہی ہو۔ اچھی خاصی بھلائی اور نیکی کی راہ چھوڑ کر بدی اور برائی سے وابستہ ہوگئیں۔ آخر تمہیں یہ کیا ہوا۔

اس طوائف زادی نے پلٹ کر جواب دیا۔ حضرت میں تو جیسی بھی ہوں بالکل ویسی ہی نظر بھی آتی ہوں۔ اپنی سوچئے کہ آپ ظاہر میں خود کو اس کے برعکس پیش کرتے ہیں جو آپ اپنے ظلمت کدہ باطن میں ہیں۔ یعنی آپ پیران سالوس کے سرخیل ہیں۔ ظاہر میں کچھ۔ باطن میں کچھ۔ توبہ توبہ۔

فتنۂ خانقاہ چونکہ جوش ملیح آبادی کی تخلیق ہے اس لئے اپنے خالق کے زاویہ نظر کی غماز

بھی ہے۔ جوش کے نقطۂ نگاہ سے انسان نہ طائر لاہوتی ہے اور نہ فرشتہ ملکوتی۔ آدمی یا انسان عناصر اربعہ آب و آتش، خاک و باد کے خمیر سے گوندھا ہوا، بھوک پیاس، حرص و ہوس، اور احتیاج وضرورت کا پتلا ہے۔ وہ اپنے نفسیاتی عوامل ومحرکات کو ٹال تو سکتا اور دبا بھی سکتا ہے مگر انھیں فنا نہیں کرسکتا اور جتنا انھیں دبائے گا اتنی آتش فشانی قوت سے پھر ایک دن موقع پاتے ہی پھٹ پڑتا بھی ہے۔ ہر عمل کا بھرپور ردِّ عمل ہوتا ہے فزکس اور نفسیات کا مشترک کلیہ ہے۔

Every action has an equal and opposite reaction

مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ انسان نصف ہے، ہر نصف اپنی تکمیل کا متلاشی ہے، ہر نصف سے دوسرا نصف کچھ ہی دن دور رہ سکتا ہے جیسے ہی دونوں نصف آمنے سامنے ہوں گے تو یہی صورت ہو جائے گی جو فتنۂ خانقاہ میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ بنت مہر و ماہ Better half ہے۔

جس کے بغیر دوسرا نامکمل نصف worse half ہے۔

جو موقع ملتے ہی اپنے بہتر نصف کی طرف قیامت خیز شدت سے راغب ہو جاتا ہے۔

نظم کی ساخت بھی قابل توجہ ہے۔ پہلے دو بند میں بنت مہر و ماہ کی آمد سے فتنہ خیزی۔ پھر اگلے سات بندوں میں بنت مہر و ماہ کا سراپا۔ پھر آخری چار بندوں میں اس فتنہ زائی کی تفصیل ہر بند کے آخری دو مصرعوں سے پوری نظم کا لب لباب نکالا جا سکتا ہے۔

عالم تھا وہ خرام میں اس گلعذار کا
گویا نزول رحمت پروردگار کا

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا لو نکل رہی تھی دل خانقاہ سے

آغوش مہر و ماہ کی گویا پلی ہوئی
سانچے میں آدمی کے گلابی ڈھلی ہوئی

آنکھوں میں کہہ رہی تھیں یہ موجیں خمار کی
یوں بھیگتی ہیں چاندنی راتیں بہار کی

انگڑائی فرط شرم سے یوں ٹوٹنے لگی
گویا صنم کدے میں کرن پھوٹنے لگی

اب اس فتنۂ خیز آفق کی منظر نگاری

(۱) پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمیت پھر گئی
اک پیر کے تو ہاتھ سے تسبیح گر گئی

(۲) ایماں کی شان عشق کے سانچے میں ڈھل گئی
زنجیر زہد سرخ ہوئی اور گل گئی

(۳)طوفان آب و رنگ میں زہاد کھوگئے
سارے کبوتر ان حرم، ذبح ہوگئے
(۴)القصہ دین کفر کا دیوانہ ہوگیا
کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ ہوگیا

آخر میں لفظ فتنہ یا حسن کی حشر خیزی کی تفصیل جنگل کی شہزادی سے

چشم و چراغ صحرا، اے نور دشت و وادی
رنگیں جمال دیوی، جنگل کی شاہزادی
بستی میں تو جو آئے اک حشر سا بپا ہو
آبادیوں میں ہلچل، شہروں میں غلغلہ ہو

رندان بادہ کش کے ہاتھوں سے جام چھوٹیں
تسبیح شیخ الجھے۔ توبہ کے عزم ٹوٹیں

نظروں سے ارتقا کے رسم و رواج اتریں
زہاد کے عمامے۔ شاہوں کے تاج اتریں

امن و اماں کے رخ کو بے آب و رنگ کردے
دنیا کو حسن تیرا میدان جنگ کردے

دیکھئے۔ایسا لگتا ہے کہ دونوں نظمیں ایک دوسرے کو خود میں ضم کئے ہوئے ہیں جیسا کہ ہم نے آگ کے سلسلہ میں تحقیق کی تھی کہ جوش کی ایک نظم کی لفظیات کا کسی دوسری نظم کی لفظیات سے افہام وتفہیم کا معاملہ ہوسکتا ہے۔(فتنہ خیزی)اورحشر انگیزی کا اس سے زیادہ کیا بیان ہوسکتا ہے جو جنگل کی شہزادی کے اس اقتباس میں پیش ہوااور جو فتنہ خانقاہ میں بہ تفصیل پیش کیا گیا فتنہ خانقاہ میں اہل عبادت وریاضت کی کریہہ المنظر تصویر کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ صرف پیران سالوس تک ہی محدود ہے۔ ورنہ اولیائے کبار اور اصفیائے اخیار کی پاکیزگی وپاکدامانی کا

وہ عالم تھا کہ

"دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔"

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اعدائے اسلام نے افواج اسلام کو Demoralise کرنے کے لئے برہنہ پریزادیوں کی ایک دورویہ نمائش لگادی لیکن افواج وسپاہ فرداً فرداً اور من حیث الجماعت نے اپنی عفت وعافیت سے دنیا کو ششدر وحیران کردیا اور عظمت وعظمت کے اوراق وجرائد پر اپنی مہرپاکیزہ دامنی ثبت کرکے فنا سے بقا کی طرف کوچ کرگئے۔

"ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

جوش ملیح آبادی کی تعلّی نگاری

ہم نے اپنے ان مختصر اور نامکمل صفحات میں جوش ملیح آبادی کے چند غالب رجحانات پر نہایت ناکافی روشنی ڈالی ہے۔

اب بر سبیل تذکرہ ہم جوش ملیح آبادی کی تعلی نگاری پر بھی کچھ اظہار خیال کی کوشش کرتے ہیں اور شاید ہم چند دوسرے صفحات میں اس پر کچھ لکھ پڑھ بھی چکے ہیں۔ تعلی نگاری جوش ملیح آبادی کا وہ عنصر ہے جو نہ صرف ان کی لفظیات ونفسیات پر اثر انداز ہے بلکہ ان کے اور باقی دنیا و مافیہا کے درمیان ایک Water shed جیسا رول بھی ادا کرتا ہے۔ جس نے جوش کی تعلیات نگاری کا پیمانہ اور اس کی اثر اندازی کے طول وعرض کو نہیں سمجھا وہ جوش ملیح آبادی کے مضامین و موضوعات اور لفظیات ونفسیات کے ساتھ انصاف کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

تعلی نگاری کچھ جوش ملیح آبادی کے ساتھ ہی مخصوص ومحدود نہیں بلکہ اس کے دھاگے قدیم عربی اور قدیم فارسی سے ہوتے ہوئے اردو شعر و ادب تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ جوش ملیح آبادی پر پہنچ کر تعلیات نگاری نے اس نقطۂ عروج کو چھولیا جس تک پہنچنا نہ صرف ناممکن العمل بھی ہے بلکہ نامناسب اور بعید از فہم وقیاس اور دور از افادیت وعظمت بھی ضرور ہے۔

تعلی نگاری یعنی اپنے میدان یقین وعمل میں دیگر تمام حریف وحلیف سے مسابقت کی دوڑ میں اتنے فاصلہ سے آگے دوڑ جانا کہ مسابقت کرنے والوں کو دوڑنے والے کی گرد تک دکھائی نہ دے۔ تعلی نگاری یعنی اپنی نگارشات میں خود کو دوسروں سے برتر و بہتر، بلند و بالا اپنی خودستائی اور خودسرائی میں مبالغہ آرائی کرنا۔ یہ عظیم المرتبت شعراء کے شعائر عام میں سے ہے اور اس کی مثالیں ہر جگہ دستیاب ہیں۔

میر تقی میر فرماتے ہیں۔

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے کہ "یا اوستاد"

علامہ اقبال:

سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

(یعنی حسن اتفاق سے مجھ جیسا درویش منصہ شود پر نمودار ہو گیا ہے۔اب مجھ جیسا دوسرا دانائے راز دوبارہ بھی آئے گا؟ یہ بظاہر ممکن نظر نہیں آتا)

مرزا غالب:

کون ہوتا ہے حریف ہے مردافگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

جوش ملیح آبادی:

لوگ کہتے ہیں کہ میں ہوں شاعر جادو بیاں صدر معنی۔داور الفاظ۔امیر شاعراں

اس قسم کی تعلیٰ نگاری سرمۂ چشم عاشقان ادب ہے اور تاریخ نے ان جیسے تمام شواھد کو سینے سے لگا رکھا ہے۔

لیکن جوش کے درج ذیل کلام میں سب کو کلام ہے۔ملاحظہ ہو۔

یہ رات گئے عین طرب کے ہنگام
پر تو یہ پڑا پشت پہ کس کا سر جام
یہ کون ہے؟ جبریل ہوں، کیوں آئے ہو
سرکار فلک کے نام کوئی پیغام

آیا یہ کون راہ طرب پوچھتا ہوا
چہرہ تو کہہ رہا ہے کہ ہے رہبر انام

یہ ریش، یہ عمامہ، یہ حق آشنا نظر
راہ طرب کی فکر میں نظریں یہ سوئے جام
ہاں اس طرف، قریب، ذرا اور کچھ قریب
اچھا! جناب خضر ہیں، وعلیکم السلام

جو ایک ہاتھ پہ کرسی تو ایک ہاتھ پہ عرش
زمیں کے فرش پہ وہ آسماں وقار ہوں میں

کون یہ در کھٹکھٹاتا ہے۔ مرا۔ پوچھو کوئی
خیر ہو کیا اس طرف بھی آگئے اہل زمیں
''آئے ہیں دنیا کے کچھ اوتار مجرے کو حضور''
''کہہ دو واپس جائیں۔ ملنے کی مجھے فرصت نہیں''

یہ اوران جیسے مضامین تعلّی نگاری نہیں بلکہ کچھ اور ہی شے ہیں یہ تصوف کے انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی سے میل کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان معمہ جات اور ممنوعات کو ہم اپنے سے بہتر اہل فکر ونظر کے سپرد کرتے ہیں لیکن اس طرف ضرور اشارہ کریں گے کہ جس شاعر کی یہ نفسیات ہوں اس کے موضوعات ولفظیات پر حرف آخر کیسے کہا جاسکتا ہے۔لیکن اتنا غور کرنے کی اجازت ہم ضرور چاہیں گے کہ کیا اس برخود غلط شاعرانہ خود پرستی میں اعتدال واصلاح کا کوئی راستہ باقی رہتا ہے یا نہیں۔اس سلسلہ میں ہم فارسی کے سب سے بڑے تعلّی نگار شاعر عرفی شیرازی سے مشورہ کرتے ہیں۔آئیے ایک شعر عرفی شیرازی کا اس سلسلہ میں حاضر ہے۔

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا
یک دم منافقانہ نشیں در کمین خویش

یعنی کہ اگر کوئی اپنے عیوب ونقائص سے باخبر ہونا چاہے تو اسے خود اپنا محتسب بن کر اپنی تاک میں لمحہ بھر کے لئے خود اپنی کمین گاہ کا مہمان ہونا پڑے گا۔

جوش کے اقوال کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ہم ہوس وعشق سے معنون اس رباعی پر

پہنچتے ہیں جس میں اپنی برتری اور دوسروں کی اہانت وکمتری کو یوں پیش کیا گیا ہے اور جس کے مترادفات جوش کے کلام میں ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ رباعی حاضر ہے۔

اے صید ہوس! آگ غم ہستی کی
مجھ کو بھی جلا رہی ہے اور تجھ کو بھی
میرے جلنے میں عود کی ہے خوشبو
اور تجھ میں وہ بو ہے۔ جیسے جلتی ہڈی

یہاں آکر ہم پھر اسی تلاش میں ہیں کہ کیا اس اہانت آمیز تعلّی نگاری کو کچھ معتدل کیا جاسکتا ہے۔ یا نہیں۔ اس پر ہماری نگاہ مولانا ابوالکلام آزاد کی لافانی تخلیق غبار خاطر مرتبہ مالک رام (ساہتیہ اکادمی) صفحہ ۸۷ پر جاتی ہے جہاں مولانا نے کسی شریف خاں شیرازی (امیر الامرا بہ عہد جہانگیر) کا یہ شعر دریافت کیا ہے۔ جو اس وقت ہمارے بہت ہی کام آرہا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

''شرر نالہ بہ غربال ادب می بیزم
کہ بگوش تو مبادا رسد آواز درشت''

یعنی میں اپنے شور وشر کو تہذیب وادب کی چھلنی میں چھان لیا کرتا ہوں تا کہ میرے محبوب کے کانوں کو میری کرختگی آواز بار نہ گزرے۔

یقیناً اس شعر میں بڑے ہی کام کا قاعدہ کلیہ پیش کہا گیا ہے جو قدم قدم پر ہم سب کا رہنما ثابت ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی ہر گفتار کو میزان ادب کی چھلنی میں چھان لیا کریں تو اس میں بڑی افادیت وعافیت ہوسکتی ہے۔

☆☆

جوش ملیح آبادی کی نظم ''البیلی صبح''

جوش ملیح آبادی اردو زبان و ادب کے وہ قد آور صاحب نگاہ وبصارت شاعر ہیں جن کی دن بھر کی مصروفیات میں نظارہ ہائے فطرت کو ان کی زندگی کے پروگرام میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

اے شخص اگر جوش کو تو ڈھونڈنا چاہے
وہ پچھلے پہر حلقۂ عرفاں میں ملے گا
اور صبح کو وہ ناظر نظارۂ قدرت
طرف چمن و صحن بیاباں میں ملے گا

جو ناظر نظارہ ہائے قدرت پچھلے پہر سے تا نموداری صبح، ہر لمحہ مشاہدۂ فطرت اور نظارۂ قدرت میں گزارتا ہے یقیناً اس کی آنکھوں کے ڈوروں کی سطروں میں عروس فطرت کی ہر جنبش و گردش کی عبارتیں تابندہ ورقصندہ پائی جائیں گی جوش ملیح آبادی کی نظم البیلی صبح ان کی تمام فطری وقدرتی شاعری کی گویا مختصر ترین لیکن جامع ترین علامت ہے اور ان تمام مشاہدات ومبصرات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے جو علیحدہ طور پر کہیں گرمی اور دیہاتی بازار کہیں شام کا رومان کہیں ساون کے مہینے اور کہیں برسات کی چاندنی وغیرہ معنون منظومات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

جب John keats کی نظم ode to autumn سامنے آئی تو اس کے تلخ ترین ناقدین بھی اس کی فنکاری اور لالہ کاری پر مر مٹے اور اس نوجوان شاعر کے قلم سے اقالیم مغرب میں Harvesting season کی کارفرمائیوں کی تصاویر پر جھوم اٹھنے اور شاعر کی Artistry پر ثنا گستری اور مدح سرائی کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی۔ بات صرف اتنی تھی کہ keats نے

شعرائے قدیم کی طرح اپنے ملک کے harvesting season کو personification کے تمام امکانات کے ذریعہ پیش کیا تھا۔اس طرح کا personification جوش ملیح آبادی کے تمام کلام کے ہر صفحہ پر کندہ پایا جاتا ہے۔یہ مغربی ناقدین فن اور مشرقی ناقدرداناں ادب کے درمیان کا نمایاں ترین فرق ہے کہ اہل مغرب تنقید کے ساتھ تعریف کا بھی اتنا ہی حق ادا کرتے ہیں جتنے کا کوئی شاعر مستحق ہوتا ہے اب درج ذیل ترتیب سے البیلی صبح کی نظم سے محظوظ ہو جیے۔

نظم کا عنون البیلی صبح:

البیلی یعنی مصروف ومتحرک،زندہ دل،شوخ وشنگ

انگریزی میں

Playful اور Lively کے مترادف۔

ہم یہاں جوش کے بارے میں وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو keats کے بارے میں عام طور سے کہے جاتے ہیں۔

He enjoys both the activity of nature and her repose

یعنی ہمارا شاعر قدرت وفطرت کے سکون وحرکت سے متعلق تمام منظر پیش کردینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اب Activity of nature جوش کی البیلی صبح میں ملاحظہ کریں۔

نظر جھکائے عروس فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
طیور بزم سحر کے مطرب لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے۔

شلو کا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا، ہوا میں پلو سکھا رہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں، ہلال کے گرد وپیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی، جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے

یقیناً جوش کا مصورانہ البم دنیا کے کسی بھی شاعر فطرت کے مقابلہ میں پورے یقین و اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہاں پیش کر کے جوش کو دنیا کے سامنے
آؤ بلند رتبۂ ہندوستاں کریں

☆☆
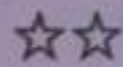
''کیا گل بدنی ہے''

حبس کے مارے دم گھٹا جا رہا تھا۔ ذرا ہوا چلی تو کچھ راحت ہوئی۔ تیز دھوپ تپ رہی تھی۔ بارش ہوئی تو کچھ سکون ہوا۔ پیاس کی شدت سے ہونٹ سوکھے جا رہے تھے۔ چلّو بھر پانی ملا تو جان میں جان آئی۔ خاردار جھاڑیاں دیکھتے دیکھتے جی تنگ ہو گیا تھا۔ پھول دار شاخیں نظر آئیں تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ کہیں رات کی رانی کھلی ہوئی ہے۔ کیسی بھینی بھینی خوشبو آ رہی ہے۔ سبحان اللہ کیا خوبصورت نظارہ ہے۔ جنت کا سا مزہ آ گیا۔ واہ کیا اچھی آواز ہے۔ دل خوش ہو گیا۔ واقعی آپ نے کیا عمدہ خبر سنائی ہے۔ چشم ما روشن۔ دل ما شاد

اس نثر پارے میں ایک امر واقعہ نمودار ہوتا ہے۔ جو ایک شے سے چل کر کسی دوسری شے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اثر قبول کرنے والی شے پر ایک راحت و بشاشت کی کیفیت بہ یک لخت طاری ہو جاتی ہے قدیم یونانی شاعر Homer کے یہاں ایک ایسا ہی سیاق و سباق ملتا ہے۔ جب Helen of Troy کے حسن و جمال کی نمائش کی جاتی ہے تو حسن پرست نوجوانوں کے دلوں پر تو بجلی گر ہی جاتی ہے لیکن بستی کے عمر رسیدہ سپیدہ سر اور ریش دراز والوں میں بھی ایک قیامت خیز تہلکہ مچ جاتا ہے اور چاروں طرف اس قتالۂ عالم کے حسن سے ایک حشر خیز ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر جرمنی کا مشہور دانش ور Lessing جو دنیا کی شہرۂ آفاق تصنیف Laocoon کا مصنف بھی ہے Homer کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شاعر کا کام حسن کو اس طرح پیش کرنا نہیں ہے کہ صاحب حسن کے زلف و عارض تک ہی ساکت و جامد رہ جائے بلکہ حسن کو اس قدر فعال و متحرک ترسیل کے ساتھ پیش کرنا ہے کہ پختہ سال ضعیف العمر بھی اس کی حشر خیزی کی قیامت سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

یعنی حسن و جمال سے لذت کوشی اور لطف اندوزی ایسی متحرک، فعال اور ترسیل دار کیفیت ہے۔جس کی اثر اندازی اور جس سے اثر قبول کرنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔

اب اگر جوش ملیح آبادی کو بہ لحاظ عمر از اوّل تا آخر حسن و جمال سے لطف اندوز اور لذت کوش پاتے ہیں تو یہ ان کی نفسیات و جمالیات کے ایک پہلو کا ایک غور طلب اور نہایت عمیق مطالعہ پیش نظر لاتا ہے کہ ہم اسے ان کی اخلاقی یا نفسیاتی کمزوری پر محمول کرنے کے بجائے اسے ان کی نفسیات و جمالیات کا ایک اہم عنصر قرار دیں اور ان کی طرح ہم بھی ان کی تحریک و ترسیلِ لطف و لذت سے محظوظ ہو سکیں۔ دیکھئے جوش مختلف جگہ اس پر خود کتنی واضح روشنی ڈالتے ہیں۔

انچاسویں برس میں ہے گو عمر کا قدم
دل میں وہی تڑپ ہے وہی ولولوں میں دم

ہر سوز میں ہے ساز جوانی کا زیر و بم
آتی ہے آسماں سے یہ آواز دم بہ دم

دبنے نہ دے گمان سے ہر گز یقین کو
اٹھ۔ قوت و حیات سے بھردئے زمین کو

ایک دوسرے بند کو اس طرح انجام پذیر کراتے ہیں۔

جن کو مہک ہے زلف بتاں سے ملی ہوئی
سینے میں آج بھی ہیں وہ کلیاں کھلی ہوئی

جمال وجلال

(کلیات صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹)

ایک پوری نظم ہی کا عنوان ''کیا گل بدنی ہے'' اس نظم کو آخر میں سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس سن میں بھی پڑتی ہیں حسینوں پہ نگاہیں
قدموں کے تلے اب بھی جوانی کی ہیں راہیں
اب بھی یہ تمنا ہے ملیں پھول سی باہیں
اصنام کو ممکن ہے کہ ہم۔ جوش۔ نہ چاہیں؟

گھٹی میں پڑی عاشقی و برہمنی ہے
کیا گل بدنی۔ گل بدنی۔ گل بدنی ہے

(کلیات صفحہ ۱۸۰)

اس قسم کے موضوعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جوش ملیح آبادی کا نفسیاتی رجحان کیا ہے اور ان کی لفظیاتی جمالیات کی انگلی کس کے ہاتھ میں ہے۔ جوش چونکہ حسن و جمال۔ زلف و رخسار، عارض وگیسو، جوانی وشباب کے پرستار ہیں سوان کے اسلوب کلام کی باگ ڈور بھی اسی حسن پرستی اور اسی پرستاری گل بدنی کے ہاتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہر لفظ دنیا کے لفظیات کا خوبصورت ترین لفظ ہو اور ان کا کلام پوری بے حجابی، بے باکی اور گستاخی کی حد تک صاف گوئی کے ساتھ شراب وشباب کے خزانوں سے معمور بھی رہے۔

اس کوشش میں وہ کہاں تک کامیاب ہیں اس کا فیصلہ نسلاً درنسلاً مستقبل کے ہاتھ رہے گا۔ لیکن ان کی نفسیاتی جمالیات اور جمالیاتی نفسیات سے منہ موڑ کر ان کے لفظیاتی اسلوب کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کا مقام طے کرنے کے لئے ان کی نفسیات جمالیات اور جمالیاتی نفسیات کا سہارا لینا ہی پڑے گا اور Lessing یعنی جس جرمن دانشور کا حوالہ دیا گیا وہ حوالہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ جوش تقابلی ولفظیاتی طور پر بھی ہر معیار سے ایک عظیم شاعر ہیں۔

☆☆

جوش ملیح آبادی کے یہاں من و یزداں کا موضوع ان کی نظم مناجات کے حوالے سے

توسن صبا رفتار پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے۔ مغرب میں ولیم شیکسپیر اور مشرق میں ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ عام جاندار تو ہر کسی کی طرح عناصر اربعہ یعنی آب و آتش، خاک و باد سے مرکب ہوتے ہیں لیکن کچھ میں ایک پانچواں عنصر Ether کا بھی ہوتا ہے جس کے سبب وہ پرواز مائل اور رفتار شامل نظر آتے ہیں۔ ایسوں میں ارضیت سے زیادہ ماورائیت اور مادیت سے زیادہ روحانیت غالب ہوتی ہے کیونکہ وہ عالم بالا سے عالم زیریں پر اترے تھے اور ہر لمحہ ہر وقت وہ عالم بالا کی طرف ہی رجوع رہنا چاہتے ہیں وہ روحانیت کے شیدائی عشق اور تصوف کے فدائی بھی ہوتے ہیں جب کہ دلدادگان ارضیت سائنسدانوں کی طرح لطیف سے لطیف ترین بات کو حد یہ کہ خداوند تعلیٰ کی ذات تک کو بھی اپنی حواس خمسہ کی لیباریٹری میں چھوکر سونگھ کر دیکھ کر چکھ کر اور ہر طرح جانچ پرکھ کر دیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب مخلوق ہونے کے سبب خالق کو گرفت سے باہر پاتے ہیں تو انکار واجب الوجود پر تُل جاتے ہیں۔

یہ چند الفاظ جوش ملیح آبادی کی طویل نظم مناجات کے مرکز خیال کی مختصر ترین ناقدانہ تلخیص ہے۔ گمان گزرتا ہے کہ شاید یہ نظم یعنی جوش کی نظم مناجات شاعر مشرق علامہ اقبال کے ایک مصرع کی تفصیل ہے۔ علامہ اقبال کا ذیل کا مصرع ان کے مشہور غزل کا مطلع ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

علامہ اقبال کے یہاں اصطلاحاتِ حقیقت ومجاز ایک طرح سے عشق وتصوف کی اصطلاحات ہیں۔ جوش کے یہاں اصطلاحات تصوف کا گزر تک ممکن نہیں۔ جوش نے حقیقت منتظر سے ایک مخصوص ومقرّر لباس مجاز میں نمودار ہونے کا اصرار کیا ہے۔ جس میں وہ رصدگاہ بھی شامل ہے۔ جس کو ہم نے لباریٹری کا نام دیا۔ جوش نے پاسبانِ عقل کے عقل کو پاسبانی کے عہدہ سے بلند کر کے کائنات دل کا مالک بھی مقرر کر دیا ہے۔ یہ شاید تاریخ ادبیات میں پہلا موقع ہے کہ مخلوق نے خالق سے ایک قفس عنصری اور شرائط کا جامہ، زیب تن کرنے کا اصرار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

(چند مصرعے چھوڑ چھوڑ کر)

اگر تو ہے دراصل مطلق حکیم — تو پھر اے خدائے سمیع و علیم
جہالت کی تاریکیوں سے نکل — اگر چشمۂ علم ہے تو اُبل
"ریاضی صداقت کے مانند اُبل" — "دلائل کی تابندگی میں اُبل"
بہت ہوچکا طور منقول پر — نمایاں ہو اب طور معقول پر
بلوریں رہا مدتوں عرش پر — اب آ ٹھوس بنکر ذرا فرش پر
چھڑا ڈال ماتھے سے شمس و قمر — رصدگاہ دانش میں ہو جلوہ گر
اگر تو ہے کندن تو ڈوب اور اچھل — فراست کی بھٹی سے تپ کر نکل

گویا جوش مخلوق ہو کر خالق کو ریاضی اور اقلدس اور لباریٹری اور رصدگاہ اور ٹھوس یعنی وزن ثقل حجم کے لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

اور آخر میں اس دھمکی پر نظم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں۔

یقیں بن کے جب تک نہ آئے گا تو
تو اے وہم دیرینۂ اہل ہو

رہ کفر کی خاک چھانے گا جوش
نہ مانا ہے تجھ کو نہ مانے گا جوش

جوش کی یہ نظم مناجات طویل نظم ہے۔ ہمارے صفحات میں اسے نقل کرنے کی گنجائش نہیں اس نظم میں تقریباً 225/اشعار میں اور تقریباً 1225/الفاظ ہیں۔ اور تقریباً 20/اکائیاں

ہیں۔ علاوہ نقطۂ نظر کے۔ لفظیاتی لحاظ سے بھی یہ نظم جوش ملیح آبادی کا من ویزداں پر مکمل ترین منظوم مقالہ ہے۔ جس میں واجب الوجود کے اثبات ونفی میں تمام وکمال دلائل یکجا طور پر مجتمع ملتے ہیں جن میں لباس مجاز کے مندرہ بالا شرائط کے نہ پورا ہونے کی حالت میں "مکمل انکار" کا اعلان نصب کر دیا گیا ہے۔ یہ نظم خاصہ کی چیز ہے۔ کہیں مل جائے تو اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

اب اس تجزیہ وتحلیل کی طرف نظر جاتی ہے کہ وہ کیا عناصر ہیں جن کے سبب جوش ملیح آبادی کے یہاں اس طرح کے انکار اور مسلسل اور شدید انکار کی نوبت آ پہنچی ہے اس سلسلہ میں خود جوش نے ان عناصر کی فہرست گنوائی ہے جن سے ارباب نظر میں حقیقت واجب الوجود ظاہر ہوتی ہے۔ یہ عناصر دو طرح کے ہیں جو فلسفۂ میں "الٰہیات" Metaphysics کے نام سے معنون ہیں اور تصوف میں اصطلاح "عشق" سے مطلوب ہیں۔ اور جوش نے خود ان ہی عناصر کی فہرست گنوا کر ان سے جان بوجھ کر روگردانی کی ہے

عقیدت سے پہچان سکتا نہیں روایات سے مان سکتا نہیں
عقیدت فریب خیال و حواس روایت فروغ ظنون و قیاس
گداز دل و جوش رقت، فریب بصیرت عقیدت مودّت فریب
تعبد۔ تملق۔ تاسّف غلط تفرح۔ تورع تشفف۔ غلط
جنوں۔ جذب و وجدان و ذوق سخن سراسر فسوں کاری اہرمن
ازل کا تبسم۔ ابد کا جمال فریب روایات و وہم و خیال
ادا سنجی حسن ذات و صفات ہمہ ذوق جنسی، ہمہ جسمیات

اس کے بعد عشق کا نمبر آتا ہے۔ اس عشق کا جسے رومی "اے طبیب جملہ علت ہائے ما۔ (عشق تمام بیماریوں کا مکمل علاج ہے) سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس عشق پر ان کے اعتراضات کو بوچھار ملاحظہ ہو۔

جسے عشق کہتے ہیں تلبیس ہے یہ مردان اوباش کی ریس ہے
یہ وہ لفظ ہے بے وقار و لعیں جو قراں اک بار آیا نہیں

ترا عشق اور ولولوں کا ابھار — یہ فحاشی ذہن ہے کردگار
ترے وصل کا شوق۔ رب غفور — ادب کے منافی۔ شرافت سے دور
بھگوتی ہے اشکوں سے جو آستیں — وہ خواہش کی چٹکی ہے۔ عفت نہیں

ان اقتباسات کی روشنی میں جوش ملیح آبادی کی نفسیات اور لفظیات دونوں پر روشنی پڑتی ہے۔ پوری نظم کا عمیق مطالعہ جوش فہمی کے کم از کم ایک شعبۂ کے لئے نہایت مفید ہو سکتا ہے۔

☆☆
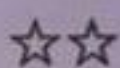
جوش ملیح آبادی —— ایک مصلح

یہ کوئی باقاعدہ مضمون یا کوئی مناسب عنواں نہیں ہے مصلح کا نام سنتے ہی یہ اعتراض ذہن میں آتا ہے کہ ایک شاعر انقلاب مصلح کیونکر ہو سکتا ہے۔لیکن ہمیں غیر متوقع طور پر ایک دستاویز ہاتھ آئی ہے جس کا ثبوت اس جوش ملیح آبادی کو جو علما اور صلحاء پر طنز وتضحیک کی خشت باری کرتا ہے، ایک مصلح کے طور پر بھی پیش کرتا ہے۔ اکبر آباد یعنی آگرہ سے جوش ملیح آبادی کا قلبی تعلق مشہور و معلوم ہے۔ رفقائے اکبر آباد کے عنوان سے ان کی ایک مشہور نظم بھی ہے۔ ان ہی جیسے رفقائے اکبر آباد میں ان کے ایک قریبی رفیق جناب امام الدین امام اکبر آبادی بھی تھے، امام اکبر آبادی صاحب نے ایک دانشورانہ اسلامی کتاب ''قصر بلند یعنی مطالعۂ قرآن'' کے عنوان سے تصنیف فرمائی۔ خدا جانے امام اکبر آبادی کے ذہن میں یہ عجیب وغریب خیال کیوں ذہن میں آیا کہ اپنی اسلامی کتاب قصر بلند یعنی مطالعہ قرآن پر ایک مختصر پیش لفظ حضرت جوش ملیح آبادی صاحب سے تحریر کروایا جائے۔ بھلا حضرت جوش اپنے قدیم رفیق امام اکبر آبادی کو کیونکر منع کر سکتے تھے۔ لیکن جب جوش ملیح آبادی نے قصر بلند یعنی مطالعۂ قرآن پر قلم اٹھایا تو ان کے تحریر کردہ الفاظ سے ان کے علماء وصلحا اور حضرت شیخ، جناب مولوی صاحب اور کسی خانقاہ میں مصروف مجاہدات زاہدین وصالحین پر طنز وتضحیک کے پیچھے ان کے ذہن میں کیا خاص Motive پوشیدہ ہوتا ہے وہ اس موقعے پر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو کم از کم ہم پر کسی اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ مصدق و محقق نہیں تھا۔

ہم نہایت مشکور ہیں خباب امام اکبر آبادی کے کہ انہوں نے اپنے قریبی تعلقات کی بنا پر حضرت جوش ملیح آبادی کا اپنی کتاب کے پیش لفظ کے لئے انتخاب کیا۔ ہم یہاں حضرت

جوش ملیح آبادی کے اس پیش لفظ کا نہ تو مرکز خیال ہی پیش کریں گے اور نہ اس کی تلخیص ہی کریں گے بلکہ من عن وہ پیش لفظ منسلک کے دیتے ہیں جو ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اب قارئین کرام خود ہی اس سے چاہے جو تاثر قبول کریں۔

باسمہ

پیش لفظ

میرے بہت پرانے دوست حافظ امام الدین صاحب امام اکبرآبادی نے اپنی تصنیف قصر بلند کے دو باب مجھے سنائے، جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ کتاب بڑے پائے اور بڑے کام کی ہے۔

حافظ جی نے قرآن کی صحیح اسپرٹ اور صاحب قرآن کی تعلیم کے مغز کو سمجھنے کی طرح سمجھا، پرکھنے کی طرح پرکھا ہے اور مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی ہے جو انھیں فلاح و بہبود کی طرف بآسانی لے جاسکتی ہے۔

حافظ صاحب نے بے روح و بے لطف وظائف اور صوم وصلوٰۃ کے رسوم و قیود میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو قوائے فطرت کی تسخیر اور ارض وسما کی سلطانی کی طرف آواز دی ہے۔ اور یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ جو قوم دنیا میں نامراد رہتی ہے وہ عقبیٰ میں بھی ناکام رہے گی۔

کاش اوہام گزیدہ مسلمان ان حقائق کی طرف متوجہ ہوں اور ''قصر بلند'' کے مطالعے سے ان کے ذہنوں میں وہ روشنی اور ان کے قوائے عمل میں وہ حرارت پیدا ہو جس کی صاحب ''قصر بلند'' کے دل میں آرزو ہے۔

میرا دل و دماغ اس کے صرف دو باب سننے سے بہت متاثر ہوا اور میری دلی تمنا ہے کہ یہ کتاب مقبول عام ہو اور اس کی سب سے بڑی مقبولیت یہ ہے کہ لوگ اس پر عامل ہو جائیں۔ اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب ہر اسلامی درس گاہ میں پڑھانے کے قابل ہے۔

جوش۔ ملیح آبادی

دہلی۔ ۹ر فروری ۱۹۴۹ء

☆☆

جوش ملیح آبادی کی ایک نظم "کھوکھلے دعوے"

زندگی ایک امر واقعہ اور ادب اس کا اشاریہ ہے۔ زندگی ایک ادارہ اور ادب اس کا ترجمان ہے زندگی ایک صورت۔ ایک شکل۔ ایک ہیت۔ ایک شخصیت۔ ایک جسم ایک تن بدن ہے۔ ادب اس کا قد آدم آئینہ ہے۔

زندگی ایک غذا، ایک ماحول، ایک آب و ہوا اور ادب اس کی نشو ونما ہے زندگی ایک عید، ایک خوشی، ایک مسرت، ایک راحت، ایک بشاشت، ایک تسلی، ایک تشفی، ایک جشن اور ایک رقص و رنگ ہے۔ ادب اس کی حرکت، اس کی جنبش، اس کی تھرک، اس کی دھڑکن، اس کی پازیب اور اس کے ناچنے گانے کی آواز ہے۔

زندگی ایک طرب اور ادب اس کا طربیہ ہے۔ زندگی ایک دار و گیر رنج و الم اور ادب اس کا المیہ ہے۔ دنیائے سماعت و بصارت میں المیہ کو طربیہ پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ المیہ ایک حقیقت اور باقی سب کچھ افسانہ ہے اور جتنے بھی افسانے ہیں۔

جھٹلا دیا ہے ان کو غم کائنات نے
ان سب کے منہ پہ تھوک دیا ہے حیات نے

یہ مختصر مگر جامع نظم سولہ ۱۶ اشعار تک دعوے کرتی ہے یا اس قسم کے تمام و کمال دعووں کا نچوڑ ہے۔ لیکن آخری یعنی ۱۷ ویں شعر میں اچانک تیوری بدل کر "O Henry" کے افسانوں کی طرح Surprise ending میں ختم ہو جاتی ہے۔ یہ نظم اپنی جگہ اردو شاعری میں ایک مختصر مگر جامع اور غیر متوقع انداز کا بہترین نمونہ ہے۔

اور ولیم ورڈس ورتھ کے حسن فطرت کے "Healing Power" کو" Nature

''red in tooth & claws'' والا آئینہ دکھاتی ہے۔

یہ مختصر نظم اس بات کی متقاضی ہے کہ دکھا دیا جائے کہ جوش ملیح آبادی جو خود کسی شدید اذیت ناداری و مفلسی کے شکار نہ تھے دوسروں کے کتنے شریک حال ہیں اس مختصر نظم کے دو حصہ ہیں۔

(۱) پہلا وہ ٹکڑا جس میں کھوکھلے دعوؤں کی بنیاد پر دنیا کو جشن عیش و طرب میں محو و مشغول متصور کیا گیا ہے۔

بھرتی ہے آہِ سرد جو لیلائے زندگی
ہوتا ہے چاک سینۂ دارائے زندگی
انسانیت کا درد ہے قدرت لیے ہوئے
شاعر کا عشق ماں کی محبت لیے ہوئے
عشرت کی دھوم دھام ہے مستی کی ریل پیل
ہستی کا کاروبار ہے اِک مشفقانہ کھیل
پیر مغاں کے فیض سے چھلکے ہوئے ہیں جام
ذرّوں کے دِل میں ثبت ہیں خورشید کے خیام
المختصر تمام یہ دعوے کہ آسماں
روندی ہوئی زمیں پر ازل سے ہے مہرباں
دن کو خروش رات کو محبوب چلبلے
المختصر تمام یہ دعوے یہ غلغلے
بے قدروبے وجاہت و بے اعتبار ہیں
انساں کی انجمن میں بہت شرمسار ہیں

(۲) چند الفاظ پر مشتمل وہ آخری ٹکڑا جس میں واقعیت اور حقیقت نگاری کی بنا پر پہلے حصہ کی بساط الٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

جھٹلا دیا ہے ان کو غمِ کائنات نے
ان سب کے منہ پہ تھوک دیا ہے حیات نے

اس نظم میں دو نظریۂ حیات پیش کیے گئے ہیں۔

(۱) شدید رجائیت Blind Optimism

(۲) مشدد قنطوطیت Persistent Pessimism

(۱) پہلے نظریۂ حیات کا نمائندہ Robert Browning کو مانا گیا ہے۔ جس کا مشہور ریمارک یہ ہے کہ خدائے پاک چین سے آسمانوں پر متمکن ہے دنیا پوری طرح حسن و جمال کے بہترین میزان پر قائم ہے۔

(۲) دوسرے نظریۂ حیات کا نمائندہ Thomas Hardy

تسلیم کیا گیا ہے، جس کا فلسفہ Immanant will جو Bergson کے فقرہ سے منسوب ہے یعنی مشیت ایک بے رحم، بے بصر، بے نگاہ قوت ہے جو زمین پر سر اٹھانے والوں کو کچلتے رہنے میں مصروف رہتی ہے۔ اور جس کو جوش نے پہلے ٹکڑے میں روندی ہوئی زمین کی لفظیات سے اور پھر آخری شعر میں جامع ترین طور پر منضبط کر دیا ہے۔

''جھٹلا دیا ہے ان کو غم کائنات نے
ان سب کے منہ پر تھوک دیا ہے حیات نے''

جوش ملیح آبادی کو اگرچہ شاعر شراب وشباب کہا جاتا ہے لیکن یہ نظم ''کھوکھلے دعوے'' اور اس کے مماثل منظومات شاہد ہیں کہ وہ انسانیت کے کرب وضرب سے بے خبر نہیں۔ دیگر عنوانات کے بیچ بیچ میں بھی درد ودرماں کے مضامین مکرر طور پر دخل انداز ہوتے رہتے ہیں اور گیسوئے حیات کے پیچ وخم مستقل اور مکرر طور پر ان کے شعور ولاشعور کا پیچھا کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً جمال وجلال میں فرماتے ہیں۔

اہل وطن کے درد سے آنکھیں ہیں اشک بار — آلودۂ سرشک ہے صہبائے زرنگار
صبحیں سیاہ پوش تو شامیں ہیں سوگوار — اکثر خوشی کے وقت بھی روتا ہوں زار زار

نصرت غریب کو ہو یہی بس جنون ہے
ہر چند ان رگوں میں امیروں کا خون ہے

ایک دوسرا بند اس طرح ختم کرتے ہیں۔

ہاں دشمن قوی و رفیق ضعیف ہوں
خود اپنی نسل۔ اپنے لہو کا حریف ہوں

اس طرح کے مضامین ان کے دو درجن سے زائد تصانیف میں شاید اور جگہ بھی ہوں گے ان کی نشاندہی اچھی جوش شناس کے لئے فائدہ مند رہے گی۔

☆☆

جوش ملیح آبادی اور فن خطابت

جوش ملیح آبادی زبان دانی اور قلم رانی کے عظیم ترین فنکار تھے۔انہیں عربی، فارسی اور انگریزی جیسی تمام زبانوں پر عبور تھا، اُردو زبان کے تمام عناصران کی شخصیت میں پیوست تھے، وہ اپنے قیامِ حیدر آباد اور نسبت ملازمت کے لحاظ سے دکنی ادبیات کے ماحول میں سانس لے چکے تھے۔وہ وطنی رشتہ سے لکھنؤ اسکول کے بہترین ادبی ولغاتی معیارات سے روشناس تھے۔وہ ادارت ومہارت کے لحاظ سے ماہنامہ ''کلیم'' اور ماہنامہ '' آجکل'' کے لمس ورمز کی چاشنی سے معمور اور رزم نامہ ہائے شعریات وادبیات کے اقالیم میں بھی اپنا سکہ جما چکے تھے۔اپنی تصنیفات کے لحاظ سے وہ ۱۹۲۰ء سے لے کر تادم آخر تحریر وتصنیف اور تخلیق وتدقیق میں بلافرصت یک نفس مشغول ومامور رہے۔ایک درجن سے زائد شعریات اور نصف درجن نثریات ان کی ایسی یادگاریں ہیں جن کے احسان سے دنیائے اُردو کا کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہوسکتا اگر ایسے شخص کو لفظیات کا بادشاہ اور شعریات کا شہنشاہ کہا جائے تو کچھ بیجانہ ہوگا ان کی لفظیات ولغات کا پیمانہ بہت وسیع وعریض ہے اور ان کی لفظیات کی انواع واقسام بھی حیران کن ہیں۔

جوش ملیح آبادی کے لئے اپنے قاری کو اپنی لفظیاتی ساحری اور فنی وتخلیقی جادوگری سے مرعوب ومبہوت کردینا اور متعجب ومتحیر بنادینا ایک بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہیں ان کی لفظیات کے کارناموں کے پیچھے ان کی تعلیاتی نفسیات کارفرما ہے۔یعنی اگر وہ ایک شاعر اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کا کلام اور ان کے کلام کا ہر لفظ اور ہر حرف بہترین اور عظیم ہونا چاہئے۔لیکن ان کا کلام چونکہ کاریگری Craftsmanship کا اعلیٰ ترین نمونہ ہوتا ہے اس لئے اس کا تخاطب قارئین کے ذہن ودماغ یعنی ان کے Intellect سے ہوتا ہے۔ان کا کلام لفظیاتی طور پر تو قیامت خیز اور

حشر انگیز ہوسکتا ہے لیکن جزباتی طور پر ولولہ انگیز نہیں ہوسکتا ان کے ہاں از دل خیزد و بر دل ریزد والی کیفیات نہیں پائی جاتیں وہ قارئین کو اپنا معترف و معتقد تو بنا سکتے ہیں خود کو اپنے قارئین کے لئے پیر و مرشد نہیں بنا سکتے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

یہ شاعری ہے عرش کی بازیگری نہیں
یعنی خدا نخواستہ پیغمبری نہیں

خطابت یعنی Sublime oratory کے لئے لفظیات و خیالات کو فرش سے عرش تک لیجانا پڑتا ہے اور شاعر کے لئے خود کو ایک فقیر ایک درویش ایک صوفی ایک صاحب رحمانیت و روحانیت بنانا پڑتا ہے۔ یا جو شخص اپنی پرورش و پیدائش اور اپنی افزائش و تربیت کے لحاظ سے سراپائے روحانیت ہوتا ہے اس کے کلام و بیان میں از خود سریت Mystical quality اور روحانی ولولہ انگیزی کی چنگاری پیدا ہو جاتی ہے۔

ایسا شاعر ایک Oracle یا ایک Prophet یا ایک صوفی Mystic کے انداز میں بولتا ہے اور اپنے سامعین و قارئین میں وہ زندہ تمنا پیدا کر دیتا ہے۔

"جو قلب کو گرمادے اور روح کو تڑپا دے"

یہاں تک کہ ایک خطابت والا خطیب چاہے تو اپنے قارئین و سامعین سے اپنے پیش پا پڑے ہوئے مقاصد و منازل کو بدل دینے تک کا مطالبہ کر سکتا ہے ؎

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اس خطابت (Oratory) والی کیفیت کو انگریزی میں Sublimity کہتے ہیں اور جس کے اسلوب نگارش یا قرائن تحریر و تقریر میں Sublimity ہوتی ہے اس کے طرز نگارش کو Sublime کہتے ہیں۔ مغرب کی قدیم ادبیات میں اس موضوع پر ایک مشہور مقالہ -Longinus on the Sublime ملتا ہے یہ خصوصیت ہمارے یہاں شاعر مشرق علامہ اقبال اور مغربی ادب میں Milton کے یہاں کچھ حد تک پائی جاتی ہے۔ کچھ دیباچہ نگاروں نے جوش ملیح آبادی کے سلسلے میں خطابت کی اصطلاح کا استعمال کیا ہے جو خود جوش ملیح آبادی کے مقصد شعریات سے نکالدی ہوئی چیز ہے۔ البتہ اس Sublimity کے کچھ آثار جوش ملیح آبادی کی حسینیات میں ملتے

ہیں اور ہم نے خود ان کی منقبت ''عظمت قلم'' کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ یہاں فرش کا نہیں عرش کا ذکر ہے، جسم کا نہیں روح کا تذکرہ ہے، آدمی کا نہیں بلکہ انسان کامل کا تصور پیش نظر ہے۔

اسلوب نگارش جہاں شاعر کی اپنی نفسیات کے تابع ہوتا ہے وہیں اس نفس مضمون کے زیر اثر بھی ہوتا ہے جو شاعر کے زیر قلم ہے۔

عظمت قلم، حسین اور انقلاب میں Sublimity کے چھینٹے دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ کہیں کہیں اعتراف عجز، لافانی حروف اور نقاد والی نظم کے نیم وادریچوں میں بھی Sublimity داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے لیکن جوش ملیح آبادی کا بیشتر کلام خود ان کے انتخاب کے مطابق ان متصوفانہ کیفیات سے دست بردار ہے جس کو کچھ حضرات نے خطابت کا نام دے دیا ہے اور جوش ملیح آبادی میں اس کی موجودگی پر خامہ فرسائی کی ہے۔

خطابت کا تعلق صرف بلند آہنگ الفاظ اور مترنم لفظیات سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک قلب ایک روح ایک دل ایک ہیجان ایک ولولہ ایک واردات ایک متصوفانہ کیفیت کا نتیجہ ہے جس کی خبر خود شاعر کو نہیں ہوتی بلکہ قارئین وسامعین پر بطور واردات طاری ہوتی ہے۔ یہ جوش ملیح آبادی کے مقاصد شعریات سے باہر کی چیز ہے۔ لیکن اس کی کمی سے جوش ملیح آبادی کی اس لفظیاتی اور شعریاتی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی جس میں جوش ملیح آبادی کا کوئی جواب ہی نہیں۔

بیشک فن خطابت چونکہ ایک فن ہے اس لئے یہ سیکھا اور سکھایا بھی جا سکتا ہے کیونکہ یہ بلاغت کے چند مخصوص صنائع اور بدائع پر منحصر ہے لیکن خطابت میں افتاد طبع کو بھی بڑا دخل ہے اور شاید جوش ملیح آبادی کی افتاد طبع اس سے مطابقت نہیں رکھتی جوش کی نفسیات ولفظیات پر ہم ان صفحات میں آگے اور پیچھے کچھ نہ کچھ روشنی ڈال بھی چکے ہیں وہاں اس موضوع کا مزید مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

☆☆

جوش ملیح آبادی کی شعریات

جوش ملیح آبادی کا کلام کسی مستعار یا متداول شعریات کا ترجمان نہیں بلکہ ان کے یہاں اپنی شعریات کے نظام کے خواب وخیال اور خدوخال خود موجود ہیں جو جوشؔ صاحب کے کلام کے تمام طول وعرض پر بکھرے ہوئے پائے جاتے ہیں جنہیں یکجا کرنے پر ان کی شعریات کی ایک لمسیاتی Tangible تصویر ہمارے سامنے آسکتی ہے۔اس کام کے لئے خصوصاً ان کی متعدد غزلوں کے اختتامیوں اور مختلف منظومات کے عنوانات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اگر بہ نظر غائر کلام جوش کا مطالعہ کریں تو ہمیں اعتراف کے طور پر ان کے حضور وہ سپاسنامہ پیش کرنا پڑے گا جو انہوں نے اپنی منقبت عظمت قلم میں خود قلم کے حضور پیش کیا ہے۔

ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اے جوش:

تو خزف کو قمر و لعل و گہر دیتا ہے
شب لب تشنہ کو گل بانگ سحر دیتا ہے
موج تخیل کو لفظوں میں کتر دیتا ہے
روح کاغذ کے مسامات میں بھر دیتا ہے

خامشی کو ہمہ تن ساز بنا دیتا ہے
تو خیالات کو آواز بنا دیتا ہے

اتنا ہی نہیں بلکہ ہم کو یہ اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ اے جوش:

تو کہ اک سطر میں سو شہر بسا دیتا ہے
طاق الفاظ میں قندیل جلا دیتا ہے

گنگناتا ہے تو کاغذ کو بجا دیتا ہے
فکر سی چیز کو آنکھوں سے دکھا دیتا ہے
جب تجھے معرض اظہار میں لے آتے ہیں
کتنے بت ہیں کہ تراشتے ہی چلے جاتے ہیں

جوش کی شعریات کے بہت کچھ اشارے ان کی نظم آگ۔ شعر کی آگ، تلاشی۔ اعتراف عجز، لافانی حروف اور نقاد جیسی نظموں میں پائے جاتے ہیں جبکہ جلال و جمال میں ان کی شعریات کچھ تفصیل سے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اپنی نظم نقاد میں وہ خود بتاتے ہیں کہ شعر کیا چیز ہے اور شاعر کون اور کیسا ہوتا ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ شعر فہمی کے شرائط پر بھی روشنی ڈالتے ہیں جوش کے مطابق شعر فہمی منطقی بحثوں پر نہیں بلکہ اسرار ہستی کا پتہ لگانے اور عالم محسوس سے باہر جھانکنے پر منحصر ہے۔ اصل شاعری صفحاتِ قرطاس پر نہیں بلکہ مصنف کی کتابِ دل پر نقش ہوتی ہے اور صرف وہیں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد شعر کی تعریف دشوار بلکہ ناممکن کیونکہ شعر کیا ہے۔

"مشتبہ سا اک اشارہ، ایک مبہم سا کلام"

شعر مرتعش سی ایک آواز ہے۔ زمزمہ داؤد ہے، عارض محدود پر عکس لامحدود ہے۔

"شعر کیا ہے عشق و حکمت کا مقام اتصال"
"شعر کیا کچھ سوچنا دل میں یہ لحن دلنشیں"
"لفظ و معنی میں توازن کی نہفتہ آرزو"

شعر کی مندرجہ بالا تعریف اور اس کے مترادفات، حقیقتاً تو خود جوش کے یہاں بھی نہیں ملتے لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ جوش کے لاشعور یا تحت الشعور میں شعر، شاعر اور شاعری کی یہی تصویریں ہیں جو ہو بہو صفحاتِ قرطاس پر تو نہیں لیکن ان کی کتاب دل میں ضرور ہیں۔ جوش ملیح آبادی نقاد سے مخاطب ہو کر شعر و شاعری کی ناتکمیلیت پر خود ہی فرماتے ہیں۔

تو سمجھتا تھا، جو کہنا چاہئے تھا کہہ گیا
پوچھ شاعر سے کہ وہ کیا کہہ سکا، کیا رہ گیا

شعر کیا؟ کچھ سوچنا دل میں بہ لحسن دلنشیں
شعر کیا، ہر چیز کہہ کر نہ کہنے کا یقیں

اعتراف عجز میں خود اعتراف کرتے ہیں۔

"اتنی لامحدود دنیا اور میری شاعری"

اور

"پیکر ہستی پہ ڈھیلا ہے مظاہر کا لباس
اور میں اس کی ذراسی اک شکن سے روشناس"
"راز داں کیا مدح خواں اور مدح خواں بھی کم سواد

نابلد، نادان، ناواقف، ندیدہ، نامراد" (۵منفیات)

جب خود جوش اپنی پانچوں انگلیوں پر پانچ منفیات گنا کر مزید کچھ کہنے سے معذرت خواہ ہیں تو ہم بھی جوش کی شعریات کی نامکمل تحقیق کو نامکمل چھوڑ کر رخصت لیتے ہیں۔

جوش کے یہاں عصریت اور ہم عصریت کے قدموں کی گونج

جوش ملیح آبادی کا کلام کوئی گونگا بہرا کلام نہیں ہے۔ وہ سنتا بھی ہے اور بولتا بھی ہے۔ وہ جنگجو سپاہیوں کی طرح برسرِ پیکار بھی نظر آتا ہے لیکن وہ بچ نکلنے اور زندہ رہ جانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ اب تک اور آج تک حیات ہے۔ موت اس کے تعاقب میں لگی ہوئی ہے۔ کبھی ناانصافی، کبھی بے اعتنائی، لیکن جوش ملیح آبادی زندہ بچ نکلنے میں کامیاب اور ناانصافیاں ان کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور۔

جوش ملیح آبادی کے یہاں دائمی قدروں کی بہتات ہے، جس کی تصدیق ہمارے طریقۂ تجزیہ وتقابل سے پوری طرح ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ان میں عصریت بھی ہے جو دائمی قدروں کے سکہ کا ہی دوسرا روپ ہے۔

غم عصریت یعنی حالات وواقعات اور حادثات وسانحات کے دئے ہوئے زخم، ہم عصریت یعنی نرم دھرتی پر باوزن اور بے رحم قدموں کے نشان۔

جوش جس روح عصر میں سانس لیتے ہیں وہی سانس ان کے اندر جا کر واپس بھی آتی ہے اور یہی ان کی ہم عصریت کی دلیل بھی ہے اور عصریت کا ثبوت بھی۔

ہم عصریت ان کے خانہ جان ودل میں پانچوں دروازوں سے داخل ہو کر پچھتاتی ہے۔ وہ اس کی کشید کر کے اسے باہر نکال دیتے ہیں وہ دیکھ کر سونگھ کر چھو کر چکھ کر اور سن کر پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ اخبار وآثار ان کے یہاں آب وہوا اور سموم وصبا کی طرح ہمہ وقت اور ہر لمحہ

سرگرم خرام نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ پیرزن مسلم لیگ کی خبر لیتے ہیں۔ کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو للکارتے ہیں، کبھی وفاداران ازلی کو آئینہ دکھاتے ہیں، کبھی وفاق کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں، کبھی لکھنؤ کے واقعات پر آگ بگولہ ہوا اٹھتے ہیں، کبھی بغاوت کی لکٹی سے چاروں طرف آگ لگا دیتے ہیں۔ کبھی زنداں شکن بازوؤں سے قید و بند کا انہدام کر ڈالتے ہیں، کبھی ماتم آزادی پر سینہ کوبی فرماتے ہیں، کبھی رشوت ستانی کی تنبیہہ پر مائل ہوتے ہیں، کبھی جشن استقلال مناتے ہیں، کبھی بابائے وطن کی شہادت پر گریہ وزاری کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں غم عصریت کی اتنی زبردست گونج ہے کہ آج تک سنائی دیتی ہے اور ان کا سرخ پھریرا ابھی تک مرتعش ہے۔

عصریت سے ہی ہم عصریت بھی ہے اور ہم عصریت لوٹ کر پھر عصریت کی طرف ہی آتی ہے۔ عصریت ان قومی وملّی اور شعریاتی ونفسیاتی تقاضوں کا نام ہے جس نے اگر ایک طرف ہمیں شاعر مشرق بخشا تو دوسری طرف شاعر انقلاب بھی عطا کیا۔ خدا کا شکر کہ اُردو زبان کی دونوں آنکھیں روشن ہیں۔

عصریت نے شاعر مشرق کو فلسفۂ خودی، نظریہ بے خودی اور زاویہ انائے کبیر وصغیر سکھایا تو اسی عصریت نے شاعر انقلاب کو بغاوت آگ اور انقلاب کی لفظیات سے بھی مالا مال کیا۔ اسی لئے آگ بغاوت اور انقلاب کی لفظیات جوش ملیح آبادی کے کلام ونظام میں بنیادی استعاروں کا حکم رکھتی ہیں۔

جوش ملیح آبادی کے یہاں عصریت اور ہم عصریت کے اخبار و آثار عنوان بدل بدل کر سامنے آتے رہتے ہیں اور ان کی طرف سے ماتم آزادی کا یہ اختتامیہ گویا ان کی تمام و کمال لفظیات کا سرچشمہ اور نچوڑ ہے۔

وہ ”الساعۃ آتیۃ کوئی نئی قیامت کسی وقت بھی آسکتی ہے“ کا پیغام یہ کہہ کر ہر دل و جان پر مرتسم کر دینا چاہتے ہیں کہ:

وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار
وہ سنسنائی آنچ وہ اڑنے لگے شرار
وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطاں ہوا غبار
اے بے خبر وہ آگ لگی، آگ، ہوشیار

بڑھتا ہوا فضا پہ قدم مارتا ہوا
بھونچال آرہا ہے وہ پھنکارتا ہوا

جوش ملیح آبادی کا لقب "شاعر انقلاب" محض جنگ آزادی کے سبب سے ہی نہیں بلکہ ہر تازہ انقلاب کے مخبر صادق کی حیثیت سے چار دانگ عالم میں ہمیشہ بلند رہے گا۔

لافانی حروف

جوش ملیح آبادی کی ایک شہرۂ آفاق نظم ''لافانی حروف'' کے نام سے معنون ہے۔ یہ نظم اپنی جگہ اور انفرادی طور پر ایک بے مثال بے پایاں اور بحر ناپیدا کنار عنوان کے سیاق وسباق میں لکھی گئی ہے اور اس کے لفظ لفظ میں تاریخ علم وفن اور روئیداد شعروادب کے چیدہ و چنیدہ معرکے حوالہ پزیر ہیں اگر چہ نام بنام پیش نہیں کیے گئے ہیں۔

اس نظم کا مرکز خیال نہ صرف خود جوش ملیح آبادی کی اپنی سرگزشت شعروادب کی معرکتہ الآرا داستان ہے بلکہ پورے ادوارِ دریافت وایجاد کی شکست وفتح، صف آرائیوں مورچہ بندیوں اور بالآخر حسن وصداقت، علم وفن اور شعروادب کی درس آمیز اور عبرت انگیز ابتلاء وکشمکش اور فتح ونصرت کی جامع ترین تاریخ بھی ہے اہل علم وفن اور صاحبان اختراع وایجاد کی انگلیاں اپنے مقاصد و منازل اور مطلب ومراد کے تحصیل وحصول میں لگاتار، مستقل اور مسلسل طور پر مصروف ومشغول رہتی ہیں۔

ادھر اہل اقتدار۔ اہل ہوس اور صاحبان ظلم وتشدد ان مصروف انگلیوں کو قفس کے قید و بند اور دام ہائے سندان وزنداں کے حوالے کرنے پر مصر رہتے ہیں۔ اس ابتلاء کربلا کے نتیجہ میں صاحبان اذہان وایقان کو آگ کے شعلہ زن دریاؤں سے گزرنا اور خود اپنے ہی خون میں نہاتے رہنا پڑتا ہے۔

صاحبان اقتدار، اپنے بے درد احکام اور اپنے شکنجہ ہائے نظام کے نشہ میں چور رہ کر سمجھتے ہیں کہ مصروف انگلیاں کاٹ دی گئیں، سر قلم کردئے گئے، تن بدن نذر آتش ہو چکے، اجسام اور دست وپا قبر میں مدفون کردئے گئے علم وفن، ایجاد واختراع، دید ودریافت، تجسس وتحقیق کو

موت کی نیند سلا دیا گیا۔

لیکن ادھر شہرت فن اور عظمت قلم بعث بعد الموت کی طرح زندہ تابندہ اور فاتح وفرخندہ ہو کر دوبارہ، سہ بارہ بلکہ ہر بار جاگ اٹھتے ہیں اور اس طرح جہل وعلم، تاریکی وروشنی، غلامی اور آزادی کے معرکوں کے بعد علم وفن اپنی روشنی وآزادی کی فتح کا جشن مناتے ہوئے پھر نظر آنے لگتے ہیں اور علم وآگہی کی لافانیت قبولیت عالم اور بقائے دوام کے پھریرے لہراتی ہوئی جلوہ افروز ہونے لگتی ہے بس تاریخ۔ جہالت کی شکست اور علم وفن کی فتح ونصرت کی سرگزشت کا ہی دوسرا نام نظر آتا ہے۔ ''حروف لافانی ہوتے ہیں'' وہ ایک بار پیدا ہو کر دوبارہ فنا نہیں ہو سکتے۔ حروف کا استعارہ تمام شعبہ ہائے علم وفن کو محیط ہے اس طرح لافانی حروف سے معنون نظم دنیا کا مختصر ترین ادبی Epic ہے اور ازاول تا آخر ازل سے لے کر ابد تک کی تاریخ نور وظلمات کی کشمکش کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔

تاریخ کے پردۂ سیمیں پر فلم کی ریل چل رہی ہے۔ سقراط زہر کا پیالہ منہ سے لگائے ہوئے فنا سے بقا کی طرف گام زن ہے۔ شہدائے کرب وبلا مقتل سے مقصد کی طرف رواں دواں ہیں قفس کے قید وبند میں زندانی ادب مرتب ہو رہا ہے، دنیا کے مظلوم ومصلوب علماء کی دید ودریافت آج بھی موجود ہے۔ منصور بن حلاج کا نعرہ انا الحق دار ورسن کو ٹھوکر مار کر ممات سے حیات کی طرف لوٹتا نظر آرہا ہے۔ جون آف آرک کو سینٹ جون تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس کا نام تاریخ کے علاوہ برنارڈ شا کے صفحات قرطاس میں زندہ پائندہ موجود ومحفوظ ہے۔

ولیم شیکسپیر University wits کے مطابق

"He writ no language"

یعنی جہاں تک زباندانی کا تعلق ہے۔ شیکسپیر بالکل جاہل تھا۔

لیکن آج شیکسپیر کا نام چار دانگ عالم میں گونج رہا ہے۔

جان کیٹس کو Quarterly Review نے موت کے گھات اتار دیا (بقول شیلی)

لیکن جان کیٹس کے اقوال پر سیمینار منعقد ہو رہے ہو، یعنی

A thing of Beauty is a joy for ever

Truth is beauty and beauty is Truth

مرزا غالب پر آغا جان عیش اور دوسرے ہم عصر پھبتیاں کس رہے ہیں۔

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اس پر غالب کا جواب ہی غالب رہا ''شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن'' یعنی میری شہرت کی ضمانی تو فردائے مستقبل ہے۔

علامہ اقبال کو فتاویٰ اور بحر وزن، اور اغلاط زبان و بیان کی گرفت کرنے والوں نے لہولہان کر دیا۔ لیکن علامہ اقبال اپنی حیات ہی میں بقائے دوام کا قلعہ فتح کر چکے تھے اور آج بین الاقوامی طور پر با قاعدہ اقبال لیکچر کا اہتمام ہوتا ہے اور ناقدین اقبال گمنامی کی تاریک کوٹھری میں بند ہیں زمانہ کی ناانصافی کے شکار جوش ملیح آبادی نے فرمایا۔

روز و شب کی سلطنت کو فتح کرتے ہیں حروف
قبر میں جاتا ہے شاعر اور ابھرتے ہیں حروف

احیاء جوش فہمی کی تحریک جوش کی بقائے دوام پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے کہتی ہے ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' سورج کی شہرت کو کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

اب ذرا کچھ اس نظم کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ ''لافانی حروف'' ایک علامت ایک استعارہ۔ ایک ذخیرہ ایمائیت اور ایک خزینۂ ارتعاشات ہے۔ لافانی حروف کی مراد محض لفظیاتی فکروفن تک محدود نہیں بلکہ ہر ایجاد و اختراع، ہر جذبۂ دید و دریافت ہر تحقیق و تدقیق۔ ہر آرزو و جستجو، ہر منصوبۂ انقلاب ہر نئی صبح ہر طلوع آفتاب، ہر تخیل، ہر تصور ہر تجسس ہر آزادی خیال اور ہر شکستِ قیصری جاہ و جلال کو محیط ہے۔''

لافانی حروف سے دنیا و جہاں کو حاصل ہونے والے معرکے اور کارنامے نظم میں دور تک مندرج ہیں۔

لافانی حروف کی فتح و نصرت کے اعجازات و کرشمہ جات کا تذکرہ نظم کے نصف دوئم میں اظہار پاتا ہے۔

اب صاحبان اقتدار و احکامات جاگ اٹھتے ہیں اور لافانی حروف کے قلعہ ہائے ناقابل تسخیر کی شکست و ریخت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔

یہاں تک کہ لافانی حروف کے تخلیق کار شہادت کے جام سے سرشار ہو اٹھتے ہیں اور مقتل وکربلا میں ان کے لیے عقیدت اور خراج تحسین کے علعلہ مرحبا بلند ہونے لگتے ہیں۔

اور اٹھ جاتے ہیں جب دنیا سے یہ ارباب راز
دیوتا آتے ہیں پڑھنے کو جنازے کی نماز
نوع انسانی کبھی ان کو بھلا سکتی نہیں
موت کی آندھی چراغ ان کے بجھا سکتی نہیں

ہم نشیں تاریخ شاہد ہے کہ اقطاب سخن
باندھتے ہیں سر پہ سہرا جب پہنتے ہیں کفن

سانس رکتی ہے تو کار نغمہ کرتے ہیں شروع
تیرگی میں ڈوب کر قبروں سے ہوتے ہیں طلوع

روز وشب کی سلطنت کو فتح کرتے ہیں حروف
قبر میں جاتا ہے شاعر اور ابھرتے ہیں حروف

ناز کر اے دل کہ آہ وارغنوں کے درمیاں
لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں انگلیاں

(۱۹۶۰)

جوش ملیح آبادی کی کچھ منظومات اتنی عظیم اتنی منفرد اور موضوعاتی ولفظیاتی طور پراتنی پرکشش اتنی اہم اور اتنی ناگزیر ہیں کہ لگتا ہے کہ اگر صرف یہی چند انہوں نے لکھی ہوتیں تو ان کا مقام دنیائے ادب میں اتنا ہی بلند ہوتا جتنا کہ ان کی تقریباً دو درجن تصانیف نظم ونثر کی بنا پر ہے۔

یہ نظم لافانی حروف از اول تا آخر موضوعاتی اور لفظیاتی دونوں طرح سے نہایت اہم ہے کہ ہمارے لفظیاتی مضامین کے سیاق وسباق میں جو اس نظم سے پہلے یا بعد میں گزر چکے ہیں، لافانی حروف کے خاص خاص ٹکڑوں پر نشان ڈالتے ہوئے اس کو ذہن نشین کر کے جوش ملیح آبادی کے ساتھ وہ انصاف کریں گے جس کا یہ شاعر انقلاب مستحق ہے۔

عام طور پر جوش ملیح آبادی خودسراتی اور خودستائی کا شاعر ہے جس کی نگاہ فلک آثار میں

کوہستانوں کی بلندی بھی پست ترین نشیبی وادیوں کا حکم رکھتی ہے لیکن اس نظم لافانی حروف میں جوش نے دنیا بھر کے صاحبان فکرونظر کو اپنے خراج عقیدت سے نوازا ہے لیکن یاد رہے کہ جوش کا یہ خراج تحسین ہمہ شما کیلئے نہیں بلکہ صرف ''اقطاب سخن'' یعنی اپنے اپنے میدان فکروفن اور فنون لطیفہ تحقیق و تدقیق کے شہریاروں کے لئے ہی مخصوص ہے اس نظم کے افعال و اسمیات نہایت قابل توجہ اور جوش ملیح آبادی کے ایجاد و اختراع اور ابداع و تجسس کی داد کے طالب ہیں۔
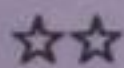
جوش ملیح آبادی کا مقام

تاریخ ادب میں جوش ملیح آبادی کا مقام ایک ناگزیر مقام ہے۔اس قدر ناگزیر کہ آج ان کے احیاء کی ضرورت پڑرہی ہے کیونکہ ان کے بغیر دنیائے ادب میں ایک ایسا خلاء محسوس کیا جارہا تھا جس کو صرف وہ یعنی صرف جوش ملیح آبادی ہی پورا کر سکتے تھے۔آج جوش ملیح آبادی کی جن گونا گوں جمالیات اور بے شمار خوبیوں پر نظر جارہی ہے، وہ خوبیاں کچھ اہل نقد ونظر کی ایجاد واختراع نہیں بلکہ وہ ہمیشہ سے جوش ملیح آبادی میں موجود تھیں یہ دوسری بات ہے کہ ایک درمیانی وقفہ کے بعد اب جوان پر نگاہ جاتی ہے تو دامن نگاہ زرد جواہر سے معمور نظر آتا ہے اب جوش ملیح آبادی کا مقام Sub judice یعنی زیر غور نہیں ہے بلکہ ایک قول فیصل کے مطابق وہ اپنے مخصوص میدان میں اپنا کوئی دوسرا متبادل Substitute ہی نہیں رکھتے۔

جوش ملیح آبادی اپنی جگہ ایک معرکہ ایک کرشمہ اور ایک کارنامہ ہیں انہوں نے ایک ناممکن کو ممکن کردکھایا ہے۔فرمودۂ اقبال ہے۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

لیکن جوش نے بہ یک وقت دونوں پر تصرف کر کے دکھایا ہے۔وہ شاعر شراب وشباب بھی ہیں اور اسی کے ساتھ شاعر انقلاب بھی۔

ان کے اعصاب پر عورت بھی سوار ہے لیکن معاملات حسن وعشق اور شغل ہائے شباب و شراب ان کے کسی عملی پروگرام میں حائل نہیں ہوپاتے۔وہ جس اہتمام کے ساتھ قصیدہ ہائے شراب وشباب قلم بند کررہے تھے اسی وقت پورے انصرام وانتظام کے ساتھ جنگ آزادی میں

سیف وقلم کے استعمال کی پاداش میں قید وبند کے خطرات سے بھی دوچار ہو جانے کے قریب تھے۔

جوش ملیح آبادی نے باہم متصادم تضادات کو اس طرح برتا کہ ایک دوسرے پر خراش تک نہ آئی۔ یہ معرکہ، یہ کرشمہ، یہ کارنامہ، ہر کس و نا کس کے بس کا نہیں۔ بقول حافظ شیرازی

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

یعنی ایک ہاتھ میں شیشۂ بلوریں اور دوسرے ہاتھ میں عصائے بازیگری کو اس طرح گھمانا کہ ایک سے دوسرے کو ٹھیس بھی نہ پہنچے۔ یہ کمال ہر کس و نا کس کی دسترس میں نہیں۔ اگرچہ یہ شعر شریعت وطریقت سے متعلق ہے لیکن ہم نے صرف اس کے مرکزی خیال پر ہی قناعت کی ہے کیونکہ یہ شعر یہاں موقع ومحل کو پوری طرح واضح کرتا نظر آ رہا تھا۔

جوش ملیح آبادی کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اپنے تضادات کی بنا پر اپنی شخصیت کو بکھرنے نہیں دیا اور ان کی شخصیت لاتعداد تضادات کے باوجود ایک مجسمۂ استقلال واعتماد بنی رہی اور وہ بالآخر اس مقام پر فائز ہو گئے جسے توحید اضداد کے مقام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ہم بھی ایک نقاد ہیں اور وہ اپنے نقاد سے اس نقطۂ نگاہ کی طلب کرتے ہیں جس زاویہ نظر سے ان کا وہ پہلو دکھائی دے جس پہلو سے وہ خود کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تنگ نظر نقاد سے بہ صد غیظ وغضب فرماتے ہیں

مجھ سے آنکھیں تو ملا اے دشمن سوز و گداز

تجھ پہ کیا اضداد کی توحید کا افشا ہے راز

ہم جوش ملیح آبادی سے آنکھیں تو نہیں ملا سکتے البتہ ہم انہیں یہ مژدہ سناتے ہیں کہ بالآخر ہم پر توحید اضداد کا راز افشا ہو گیا ہے اور اب ہم ان سے مقام توحید اضداد پر ان کا مجسمۂ کلام نصب کرنے کی اجازت مانگتے ہیں۔

☆☆

آپ کا مضمون پڑھ کر یہ اندازہ ہوا کہ انگریزی ادب کے پروفیسر ہونے کی وجہ سے آپ بہت سے انگریزی مصنفین کے حوالے دینے پر پوری طرح قادر ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ کلاسیکی وجدید انگریزی ادب کے عمیق مطالعے کی بنا پر اُردو ادب کی تنقید میں بیش بہا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس طرف سنجیدگی سے توجہ دیجئے۔ (**رام لعل**۔ چیر مین فخرالدین علی احمد یادگار کمیٹی لکھنؤ)

ایک مدت کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی مزید خوشی اس بات کی کہ آپ جوش ملیح آبادی کے کلام پر ایک نئے زاویے سے غور کر رہے ہیں۔
حقیقتاً کسی شاعر کو پرکھنے کا بنیادی معیار یہی ہے کہ وہ کتنے اور کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور کس طرح استعمال کرتا ہے۔
آپ یہ کام ضرور کیجئے اس لئے کہ انگریزی ادب پر غائر نظر رکھنے والا ہی اس کام کا حق ادا کر سکتا ہے۔

(**ڈاکٹر نیر مسعود**، لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ)

چوتھی بات آپ کے اسلوب کے متعلق کہنا ہے۔ آرنلڈ (Arnold) نے کبھی کہا تھا ''Make it new'' میں اس سے یہ مطلب لیتا ہوں کہ اپنی بات روایتی انداز سے ہٹ کر اور اپنی انفرادی فکر کے سائے میں کہی جائے۔
میرے نزدیک آپ کے اسلوب میں جو انفرادیت ہے اور اس کی وجہ سے جو تازگی ہے وہ بڑی چیز ہے۔ اس کے ذریعہ آپ اپنی شناخت کرا سکتے ہیں۔
فکر وفن میں مشاہدہ کے ساتھ مطالعہ کا بھی حصّہ ہوتا ہے۔
یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے مشرقی ادب کے علاوہ مغربی ادب کا بھی خاصہ مطالعہ کیا ہے اور فکر وفن کے رمز ورموز ابلاغ اور ترسیل کے مسائل، ابہام اور تہہ داری کے پیچ وخم سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔
آپ کے جمالیاتی شعور نے ان میں خاصی معنویت پیدا کر دی ہے۔

(**پروفیسر آل احمد سرور**)

معظم ومکرم تسلیم

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ مئی جون ۱۹۸۷ء کے دوماہی اکادمی لکھنؤ میں آپ کا مقالہ ''جوش کے یہاں لفظیاتی وفور کے عوامل کا ایک تجزیہ'' پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ خدا آپ کو اُردو ادب کی خدمت کے لئے زندہ وسلامت رکھے۔

(**ویریندر پرشاد سکسینہ**، رکن اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ)

محمد عرفان بڑی متنوع شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے ابتک پانچ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد یہ یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ نثر ونظم اور تخلیق وتنقید پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔

(**ڈاکٹر شمس بدایونی**، بریلی)

JOSH MALIHABADI KE
LAFZIYATI WA NAFSIYATI RUJHANAT

(A Psycho Linguistic Study of Josh Malihabadi)

by

Mohd. Irfan

مشہور ماہرِ اسلوبیات، ممتاز ناقد وادیب اور شاعر محمد عرفان کے قلم سے جوش ملیح آبادی کا ایک تجزیاتی وتقابلی مطالعہ۔

جوش کی لفظیات ونفسیات کی افہام وتفہیم کے لئے ایک ناگزیر دستاویز۔

ایک واحد کتاب جس کے مطالعہ میں متعدد کتابوں سے استفادہ کرنے کا مزہ آتا ہے۔

یہ تصنیف صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ایک کتب خانہ ہے جس کی نظیر دوسری جگہ آسانی سے دستیاب نہیں۔

ناشر

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com